(۱)

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا
(حدیثِ نبوی)

حضرت امام حسین شہید رضؓ

بہ تردید

"خلافتِ معاویہ و یزید"

(حصہ اوّل)

خلافتِ علی مرتضیٰ رضؓ، جنگِ جمل و صفین، حضرت امام حسین رضؓ اور حادثہ کربلاء کے متعلق مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" کے معاندانہ نقطۂ نظر، مغالطہ دہ طرزِ کلام، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ کی تنقیص و توہین، یزید و ابنِ زیاد اور ابن سعد کی باطل پرستانہ تعریف و توصیف اور تائید و حمایت، محدثین و مورخین کے پُرفریب اور خیانت آمیز حوالوں کی گرفت، پردہ دری اور مکمل و مدلل رد جواب

تالیف

ابو محمد امام الدین

— ناشر —

مکتبہ تحفظِ ملت۔ رام نگر بنارس

(بارِ اوّل) (قیمت دو روپیہ)

کتاب ملنے کے پتے

۱	کتاب محل	دالمنڈی	بنارس
۲	کتاب منزل	سبزی باغ	پٹنہ ۴
۳	کتبخانہ اسلامیہ	چوک	الہ آباد
۴	مکتبۂ تجلی	دیوبند	(سہارنپور)
۵	اشتیاق بکڈپو	دیوبند	(سہارنپور)
۶	جعفری بک ڈپو	دھرمتلہ اسٹریٹ	کلکتہ
۷	مکتبہ دین و دانش	۱/۱۰۷ رین روڈ	بمبئی ۳
۸	حنیف بک ڈپو		ناگپور
۹	نیو تاج آفس	جامع مسجد	دہلی
۱۰	مکتبۂ نشاۃِ ثانیہ	معظم جاہی مارکٹ	حیدرآباد
۱۱	نیشنل بک ڈپو	چارکمان	حیدرآباد

حضرت امام حسینؓ اور یزید

"حضرت امام حسین شہیدؓ" کا دوسرا حصہ "حضرت امام حسین اور یزید" کے نام سے زیر تالیف ہے جو جلد ہی انشاء اللہ منظر عام پر آئیگا اس میں خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کی مزید تردید ہوگی

(علمی الیکٹرک مشین پریس بنارس)

فہرست

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۹	۱۰	یہ کہہ	یہ کہہ کر
۱۲	۱۱	تنبیہہ	متنبہہ
۱۲	۱۱	بھائی	سبائی
۱۲	۱۴	عثمانی صاحب	عباسی صاحب
۱۴	۵	کسی طریقہ پر	کس طریقے پر
۱۶	۸	ہجبھم	یھجھم
۱۷	۱۹	قبول کرنے	قبول کرے
۲۰	۱۱	گو	کچھ
۲۷	۱۶	عباس	عباسی
۲۹	۱۸	آپ کبھی	اب کبھی
۳۹	۵	تھے	تھی
۴۲	۵	سے	نے
۴۶	۱۷	ہوئے	ہوگئے
۵۱	۳	سنتے ہیں	سنتے ہی
۵۵	۱۶	د	دونوں
۵۶	۱۱	گوئی	جوئی
۵۶	۱۷	لوگوں نے	مروان نے
۵۷	۹	سید	سبد
۷۴	۱	درمیان میں لانا	لانا
۷۴	۱۴	ممکن ہے	ممکن تھا
۷۴	۱۶	کریں	کرسکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے خلاف ہندوستان و پاکستان میں جتنا ہمہ گیر متفقہ اور شاید احتجاج ہوا کسی مسلمان مؤلف کی کتاب کے خلاف نہ ہوا ہوگا، اور حق یہ ہے کہ جتنا بھی احتجاج ہوا کتاب کے مفاسد و قبائح کے اعتبار سے بہت کم ہوا، اسکی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ مؤلف کے "بے لاگ تنقید و ریسرچ" کے پُرفریب دعوے، شاطرانہ طرز کلام، عیارانہ دلیلوں، مغالطہ دہ حوالوں ۔۔۔ اور ماخذ کی اتنی کتابوں کے ناموں سے عوام اور متوسطین ہی نہیں کتنے اہل علم بھی دھوکہ کھا گئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کو تحقیق اور ریسرچ سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ کتاب صفحۂ اول سے صفحۂ آخر تک فریب ہی فریب، مغالطے ہی مغالطے بد دیانتی ہی بد دیانتی، اور خیانت ہی خیانت ہے۔ نقطۂ نظر غلط، دلائل غلط، حوالے غلط، کوئی چیز صحیح نہیں، سب غلط ہی غلط ہیں، ایسی کتاب کو بے لاگ "تحقیق و ریسرچ" کا نام دینا بے لاگ تحقیق و ریسرچ کی کھلی ہوئی توہین ہے، ایسا جھوٹا مدعی تو اس لائق ہے کہ اس کے ہاتھ سے قلم چھین لیا جائے، اور اسے علمی دنیا سے باہر نکال دیا جائے۔ لیکن کتاب کی ضبطی کا مطالبہ صحیح نہ تھا، صحیح صورت یہ تھی کہ اسکی حقیقت کو سر میدان بے نقاب کر کے اسے رسوا کر دیا جائے،

کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ میری رائے کسی غلط جذبہ پر مبنی ہے، میں اسے چھپانا نہیں چاہتا کہ "خلافت معاویہ و یزید" نے میرے جذبات و احساسات کو جھنجھوڑ ڈالا ہے، اور میرے کلام کی گرمی اسی کا نتیجہ ہے۔ لیکن میری یہ رائے مبنی بر حقیقت ہے، کسی کتاب کے متعلق رائے قائم کرنے کیلئے سب سے پہلے لکھنے والے کا نقطۂ نظر دیکھا جاتا ہے۔ "خلافت معاویہ و یزید" درحقیقت کیسی کتاب ہے؟ اس کو تو آئندہ صفحات بتائیں گے، یہاں صرف مؤلف کے نقطۂ نظر

کی طرف ایک اشارہ کردیا جائے "خلافتِ معاویہ ویزید" کے خصوصی کردار حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت امام حسینؓ، یزید، ابن زیاد اور ابن سعد ہیں، حضرت معاویہؓ کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ کو بھی لے لیا جائے، حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو بھی واقعات پیش آئے ان کی تفصیل میں نہ جائیے، لیکن اس پر تو ساری امت کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ خلیفۂ راشد تھے، اور آپ کی خلافت خلافتِ راشدہ تھی، جو حضرات آپ کے خلاف تھے حق ان کے ساتھ نہ تھا، حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا، خلفائے اربعہ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ ماننے کے معنی یہی ہیں، پھر کیا کسی کے نزدیک یہ مسئلہ بھی ہنوز محتاج تحقیق ہے؟ اگر کوئی امت کے اس اتحاد و اتفاق کے خلاف "بے لاگ تحقیق و ریسرچ" لے کر کھڑا ہو تو یہ اس کی بدترین علمی جسارت اور مذہبی بغاوت ہے یا تحقیق و ریسرچ؟ تحقیق اور ریسرچ کے معنی تو یہ ہوں گے کہ عہدِ صحابہؓ سے اب تک امت جہل میں مبتلا ایک محقق کی محتاج تھی جس کا ظہور مؤلفِ کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید" کی صورت میں ہوا ہے، اس نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھ "خلافتِ معاویہؓ ویزید" کو دیکھیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر ان کی شہادت تک حضرت علیؓ کی تائید و موافقت میں ایک لفظ نہ ملے گا، تمام دلائل و شواہد حضرت علیؓ کے خلاف اور ان حضرات کی موافقت و تائید ہی ملیں گے، جو حضرت علیؓ کے مخالف تھے، "خلافتِ معاویہ ویزید" کا مطالعہ آپ کو بتلائے گا کہ حضرتِ علیؓ کسی طرح کے فضل و کمال کے حامل نہ تھے، فہم و دانش میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ صاحبزادے حضرت حسنؓ سب حضرت علیؓ سے فائق تھے، وہ حضرت علیؓ کو سمجھاتے جب بھی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی، نہ ان کی خلافت منعقد ہوئی نہ مہاجرین و انصارؓ نے ان کو خلیفہ مانا، سب ان کے مخالف تھے، وہ سبائیوں کے آلۂ کار تھے، انھیں کے فریب میں مبتلا ہو کر خلیفہ بن بیٹھے تھے، بالآخر ایک روز مہاجرین و انصار کے نمائندوں نے ان کو منصب

خلافت سے برطرف کر دیا، خلافت کے مستحق اور اہل دراصل حضرت معاویہؓ تھے، سوچیے تو
یہی ایسی کا نام "بے لاگ تحقیق اور ریسرچ ہے"؟ ۔ اس موضوع پر اس سے کہیں شد و مد کے
ساتھ تحقیق و ریسرچ کا مظاہرہ مولینا عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند نے دسمبر ۱۹۵۸ء اور ستمبر
۱۹۵۹ء کے تجلی میں کیا ہے کہ مسلکِ اہلسنت والجماعت کی حدوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں،
اس مبحث پر "خلافت حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ" کے نام سے ایک مستقل کتاب میں نے علیحدہ لکھی ہے،

اب حضرت امام حسینؓ، یزید، ابن زیاد، ابن سعد اور حادثہ کربلا کو لیجیے، قطع نظر اس سے
کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور احادیثِ نبوی کی رو
سے ان کا مرتبہ کتنا بلند ہے، ذاتی فضائل و کمالات اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی
امت کے نزدیک ان کی عظمت مسلم ہے، وہ شریعت و طریقت دونوں کے مانے ہوئے
امام و پیشوا ہیں، یزید و ابن زیاد اور ابن سعد کو حضرت امام عالی مقامؓ سے اتنی نسبت
بھی نہیں جتنی چراغوں کو ماہتاب سے ہے، یزید کے فسق و فجور، اس کی بدکرداری و بداخلاقی
اور اس کے ظلم و شقاوت پر ائمہ حدیث، علمائے سیر، مورخین سب متفق ہیں، یہی پوزیشن
ابن زیاد اور ابن سعد کی ہے، تمام اکابرِ امت نے ان کو ظالم و شقی اور کتنوں نے مخذول
و مردود تک قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سب نے شہید مانا ہے اور
ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے، ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے "خلافت معاویہ و یزید"
کو دیکھیے حضرت امام حسینؓ کے کسی فضل و کمال کا اعتراف نہیں اس کے برعکس ان کی ہر
فضیلت و بزرگی کا انکار کیا گیا ہے، اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت امامؓ کو بھی غلط کار
اور سراپا خاطی و مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یزید، ابن زیاد اور ابن
سعد کو سراپا محاسن و فضائل اور صاحب سیرت و کردار ثابت کیا گیا ہے، ان پر کہیں کوئی
جرح و تنقید نہیں کی گئی ہے، آخر یہ تحقیق و ریسرچ کی کون سی قسم ہے؟
معلوم نہیں ہندوستان اور پاکستان کے صاحبِ فکر و نظر علماء نے "خلافت معاویہ

ویزید" کو کس نظر سے دیکھا ہے، میرا اندازہ یہ ہے کہ اس کتاب کے پیچھے کوئی خاص مقصد کام کر رہا ہے، مؤلف نے اس کتاب میں بھی بتایا ہے اور اخبار "صدقِ جدید" لکھنؤ میں ایک مراسلہ لکھ کر بھی خبر دی ہے کہ ابھی اور بھی موٹی موٹی کتابیں آرہی ہیں، قابلِ غور امر یہ ہے کہ ایسے نازک زمانے میں جب اسلام جدید اصول و نظریات کے نرغے میں گھرا ہوا ہے، عباسی صاحب نے کس دینی و ملی ضرورت کے پیشِ نظر "خلافتِ معاویہ ویزید" کے موضوع کا انتخاب کیا ہے؟ خود اس کتاب کے اندر یہ شہادت موجود ہے کہ اس کے پیچھے فتنہ انکارِ حدیث کام کر رہا ہے اور تشیعیت کے بالمقابل یزیدیت ابھارتا رہی ہے، جو اہلسنت والجماعت کے مسلمہ اصول و مسلک خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کی حریف ہے، یہ میرا گمان ہی گمان نہیں ہے عباسی صاحب نے "خلافتِ معاویہ ویزید" کے طبع دوم کا مقدمہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند کے خلافت نمبر میں شائع کرایا ہے، انھوں نے اس میں لکھا ہے کہ قرآن و حدیث میں خلافت و جانشینی کا کوئی طریقہ موجود نہیں ہے، خلفائے اربعہ میں سے چاروں خلفا، کی خلافتیں بطریق نقویا سے قائم ہوئیں، مگر ان کے طرزِ فکر کا مقصد یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کی کوئی اصل نہیں ہے، جس کے ہاتھ میں اقتدارِ حکومت آجائے، وہ امیر المومنین ہے، اور اس کا نظامِ حکومت خواہ کیسا ہی ہو وہ اسلامی حکومت ہے، دراصل یہی یزیدیت ہے "خلافتِ معاویہ ویزید" کا مقصد اسی نظریہ کے نشر و اشاعت کا پہلا قدم ہے،

مجھے "خلافتِ معاویہ ویزید" کا رد و جواب لکھنے میں جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی تنقید سے گراں قدر مدد ملی ہے جو بالاقساط روزنامہ "انقلاب" بمبئی میں شائع ہوئی ہے، میں اس کیلئے مولانا مبارکپوری اور ادارۂ انقلاب کا بیحد ممنون ہوں۔

میں نے جس جذبہ و مقصد سے یہ کتاب تالیف کی ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور یہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہو میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جانب سے یہ ناچیز دفاعی خدمت انجام دے کر بہت خوش ہوں، ع

"شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم"۔ ——

ابو محمد امام الدین

(امام نگر - بنارس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ط والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی الہ الطاہرین وخلفائہ الراشدین واصحابہ المہدیین اجمعین ۔

یزیدی خلافت کا پس منظر

محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کا ہیرو تو یزید ہے، اسی کو "امیر المومنین" "امام المسلمین" بنانے کے لئے عباسی صاحب نے پونے چار سو سفید صفحات سیاہ کئے ہیں۔ تاکہ قیامت کے روز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور شہدائے کربلا کے بالمقابل یزیدی صف میں خدا کے حضور کھڑے ہوں تو ہاتھ میں ایک ضخیم اعمال نامہ ہو۔ لیکن چونکہ یزید اموی حکومت کے مؤسس اور بانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرزند جگر بند اور جانشین تھا اس لئے ابتدائی سو ۱۰۰ صفحوں میں اختصار کے ساتھ عباسی صاحب نے "اموی خلافت کا پس منظر" لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اموی حکومت کیسے وجود میں آئی۔ ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم بھی پہلے یزیدی حکومت کا پس منظر پیش کریں۔

جیسا کہ ہم نے "پیش لفظ" میں بتایا ہے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلافی مباحث کو لے کر مولانا عامر عثمانی مدیر "تجلی" دیوبند نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اعلانیہ زہر فشانی کی ہے تو عباسی صاحب نے اپنے قارئین کو کچھ اس آہستگی سے انجکشن دیا ہے کہ ان کے دل و دماغ میں زہر تحلیل ہو جائے اور ان کو مطلق خبر نہ ہو، عباسی صاحب کے

اسلوب بیان اور انداز تحریر کا سب سے بڑا حسن و کمال یہی ہے اور عباسی صاحب کو اس کامیابی کے ساتھ اس تکنیک کے استعمال پر داد دی جانی چاہیئے کہ از ابتدائے صفحہ تا انتہا صفحہ پوری کتاب میں یہ رنگ یکساں قائم ہے، پوری کتاب پڑھ جایئے کہیں آپ کو ذرا سا شبہہ نہ گذرے گا کہ کسی طرح کے تعصب یا جانبداری سے کام لیا گیا ہے، کسی طرح کی کوئی غلط بیانی کی گئی ہے یا علما و اکابر کے حوالے پیش کرنے میں خیانت و مغالطہ دہی کی گئی ہے، آپ کو معلوم ہوگا کہ پوری کتاب تاریخی تحقیق و تنقید کا شاہکار ہے۔ اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ جو ان مباحث کی حقیقت تک رسائی نہیں رکھتے تھے عباسی صاحب کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و حضرت امیر معاویہ اور حضرت امام حسین اور یزید کے متعلق ہم نے اب تک جو کچھ پڑھا اور سنا تھا سب غلط اور بے اصل تھا۔ حق وہ ہے جسے عباسی صاحب نے اپنی اس شاہکار کتاب میں پیش کیا ہے۔ عباسی صاحب کے تمام قارئین کو کیا خبر کہ پونے چار سو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جو غلط بیانی فریب دہی اور خیانت و بد دیانتی سے پاک ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انعقادِ خلافت سے لے کر حضرت امیر معاویہ کی حکومت کے قیام تک خصوصی واقعات و مباحث یہ ہیں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت۔

۲۔ حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف۔

۳۔ جنگ جمل۔

۴۔ جنگ صفین۔

۵۔ ثالثی کا انعقاد اور اس کا فیصلہ۔

عباسی صاحب نے امام غزالی کا فتویٰ جتنا بے محل نقل نہیں کیا ہے اس سے کہیں زیادہ بے محل، یہ واقعہ ہے جو بالکل ہی یزید کے خلاف ہے۔

عباسی صاحب کتاب "فضلِ یزید" کے بارے میں بھی مغالطہ دہی اور خیانت سے باز نہیں آئے، خلیفہ کے اس سوال کا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ شیخ نے جو جواب دیا ہے اس کا ترجمہ عباسی صاحب نے یہ کیا ہے: "لعن کرنا ہرگز جائز نہیں" اور شیخ کے الفاظ یہ ہیں "لا اسوغ لعنہ لانی....." جس کا ترجمہ ہوگا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ جائز ہے یا نہیں۔ یا میں لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ اگر میں لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعن کرنے لگیں گے، خلاصہ یہ کہ شیخ نے لعن کرنے کے جواز و عدم جواز کو مبہم رکھا لیکن عباسی صاحب نے ترجمہ میں شیخ کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ خیانت کی کہ اسے قطعی نفی بنا دیا۔

اسی طرح عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیرؒ کو بھی نہیں بخشا۔ آپ نے البدایہ والنہایہ کے حوالے سے کتاب "فضلِ یزید" کا تذکرہ اس طرح لکھا ہے گویا علامہ ابن کثیرؒ اس کتاب کے حامی ہیں۔ اور اسی حیثیت سے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اول تو علامہ ابن کثیرؒ نے "فضلِ یزید" کے تعارف ہی میں لکھ دیا ہے۔

اتی فیہ بالغرائب والعجائب — (مصنف نے اس میں غیر معروف اور عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں)۔ یعنی یہ کوئی معقول کتاب نہیں ہے، اور آخر میں علامہ نے فضلِ یزید پر اپنا ریمارک لکھا ہے جسے عباسی صاحب نے سرے سے چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ ہے

وقد رد علیہ ابو الفرج بن الجوزی فاجود واصاب — امام ابن جوزی نے کتاب "فضلِ یزید" کا رد لکھا ہے اور عمدہ اور صحیح جواب لکھا ہے۔

امام ابنِ جوزی کی کتاب کا نام "الرد علی المتعصب العنید عن ذم الیزید" ہے، اس کتاب کے نام ہی سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ ابن جوزی کے نزدیک یزید کتنا مذموم

ہے کہ جو شخص یزید کی مذمت سے منع کرتا ہے امام جوزی اسے معاندانہ اور متعصب قرار دیتے ہیں: (کتاب "فضلِ یزید" کی بحث الجمعیۃ دہلی ۲۲ نومبر ۵۹ء مولانا قاسمی کی تنقید سے ماخوذ ہے)

مدینۃ النبیؐ سے یزید کے اُنس کی حقیقت

عباسی صاحب نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یزید کو مدینہ طیبہ سے قلبی انس و تعلق تھا، کچھ نمایاں خصوصی شواہد ملاحظہ ہوں،

(۱) یزید نے مدینہ منورہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا، (ص۵۹)

(۲) یزید اپنے خسر حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو بڑے بڑے عطیے دیتا تھا، ایکبار حضرت عبداللہؓ شام گئے تو یزید نے پوچھا۔ میرے والد آپ کو سالانہ کتنا دیتے تھے؟ کہا ایک لاکھ۔ یزید بولا "میں نے اسے دگنا کیا" یہ خوشی سے بے اختیار ہو کر بولے۔ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ "میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے اس جملے کا استعمال پہلی بار آپ کیلئے کیا ہے" یزید نے ازراہِ عنایتِ خسروانہ کہا۔ میں نے اس کا بھی دگنا کیا، خزانچی سے نہ رہا گیا، بول اٹھا۔ آپ ان کو چار لاکھ سالانہ دیں گے؟ یزید نے جواب دیا۔ تم نہیں جانتے۔ یہ اپنا مال اہلِ مدینہ کو تقسیم کر دیا کرتے ہیں۔ انکو دینا اہلِ مدینہ کو دینا ہے۔ (ص۶۰)

اسی طرح ایکبار حضرت عبداللہ بن جعفرؓ دمشق گئے ہوئے تھے، اسی زمانے میں عبدالرحمٰن بن زیاد حاکم خراسان بھاری رقم لے کر دمشق آیا، یزید نے اسے حکم دیا کہ پانچ لاکھ ان کو دیدے، عبدالرحمٰن نے پانچ لاکھ یزید کی طرف سے دیا، اور پانچ لاکھ مزید۔ کہا۔ یہ میری طرف سے ہے۔ (ص۶۱)

(۳) یزید نے مدینہ کی دو محترم خواتین سے شادی کی تھی۔ ام محمد بنتِ عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے، اور ام مساکین بنتِ عاصم بن عمر فاروقؓ سے۔ (ص۵۸)

عباسی صاحب سے پوچھئے۔ یزید نے مدینے میں اپنے لئے تو محل تعمیر کرایا تھا زائرین

کیلئے مسافر خانے اور مدینہ کے غربا کیلئے مکانات کتنے بنوائے تھے؟ اور یہ بھی پوچھیے کہ اپنے خسر پر دینار و درہم کی بارش، یہی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کا مطمح نظر جس کا یزید عملی نمونہ تھا؟ مدینہ کے غربا کو مالی امداد دینے کیلئے مدینہ میں یزید کا عامل موجود نہ تھا؟ اس کے ذریعہ ... اہلِ مدینہ کو کتنے دینار و درہم تقسیم کئے جاتے تھے؟ اور ہاں عباسی صاحب سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ یزید کے حرم میں تو مدینہ کی دو محترم خواتین تھیں، دمشق کے خاندانِ شاہی کی کتنی خواتین مدینۃ النبیؐ کے انس کے ثبوت میں اکابرِ مدینہ کے عقد میں دی گئی تھیں؟

یزید کے جعلی اور جھوٹے فضائل و محامد کی یہ پبلسٹی عباسی صاحب نے کیوں کی ہے؟ اس کا مقصد خود انھیں سے سنئے، فرماتے ہیں۔

"سیرتِ امیر یزید کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلے میں لکھا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات راقم الحروف کی دوسری مبسوط تالیف میں ملاحظہ ہوں (خلافت) عباسی صاحب کا مستقل مبسوط یزید نامہ جیسا کچھ ہوگا اس کا اندازہ ان کی پیشِ نظر کتاب سے بخوبی ہو جاتا ہے، اسی کتاب میں واقعۂ کربلا کے بعد عباسی صاحب نے مکرر یزید کے فضائل و محاسن تحریر فرمائے ہیں۔ ہم نے اب تک جو تنقید لکھی ہے وہ عباسی صاحب کی پوری کتاب کیلئے کافی ہے، اور ابھی بہت کچھ آگے آ رہا ہے۔ اگر یزید کے خلاف خروج کے عدم جواز کی دلیل یہی ہے کہ یزید کے کردار میں کوئی خامی نہ تھی تو اوپر ائمہ و اکابر کے حوالوں سے یہ حقیقت بتواتر ثابت ہو چکی ہے کہ یزید انتہائی بدکردار انسان تھا، کیا اچھا ہوتا کہ عباسی صاحب خروج کو ناجائز ثابت کرنے کیلئے یہ جھوٹی رسواکن راہ اختیار نہ کرتے حدیثوں میں تو فاسق سے فاسق اور ظالم سے ظالم حکمران کے خلاف بھی خروج کی ممانعت موجود ہے۔ عباسی صاحب کو ان احادیث پر قناعت کرنی چاہیئے تھی، جیسا کہ بہت سے

اکابر علمائے کیا ہے، عباسی صاحب ان سے دس قدم آگے بڑھنے کا حوصلہ کر سکے یزید سمیت رسوائی کے گڈھے میں جا گرے ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کا کوڑھ عباسی صاحب نوکِ قلم سے کھرچ کر صاف کرنے میں قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، ایک نہیں دس کتابیں لکھیں، آپنے دیکھا کہ یزیدی فسّاق نے تین دن تک خاتونانِ مدینہ کی عصمتیں حلال کر دی تھیں کیا اس بحری کو

حضرت امام حسین رضؓ کا مجدّدانہ و مجاہدانہ اقدام

خلافتِ راشدہ کے ایوان کو منہدم کر کے اس کے کھنڈر پر قیصریت کا قصر تعمیر کرنے والے ملتِ اسلامیہ کے قیصرِ اول یزید کے اقتدار پر سبطِ رسول و جگر گوشۂ حضرت علی مرتضیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حق کی وہ مجددانہ اور مجاہدانہ ضرب لگائی کہ باطل قیامت تک کیلئے رسوا ہو گیا، تیرہ سو برس سے یزید ہدفِ طعن و ملامت ہے۔ اور ہر دور میں حضرت امام عالی مقامؓ پر ائمہ و مشائخ، صلحاء و اتقیاء، اور عام مسلمانوں کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کی بارش ہو رہی ہے، یزیدیت ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی اور جمعہ و عیدین میں امام ہمامؓ کے نام کا خطبہ پڑھا جا رہا ہے، کوئی مسلمان نہیں جو اپنے کو یزیدی کہلانے اور یزید کا قصیدہ گو اور خطبہ خواں بن کر کھڑا ہو، کسی دور میں کسی نے زبان بھی کھولی تو وقت کے اکابر نے وہیں اس کی زبان کاٹ لی، کتاب "فضلِ یزید" اور کتاب "العواصم" کی مثالیں اوپر آ چکی ہیں۔ ہمارے دور میں عباسی صاحب یزید کے پروپیگنڈہ منسٹر کی حیثیت سے نمودار ہوئے ہیں، اور آپ کا مشن ہے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خلافتِ راشدہ کی تجدید و احیاء کیلئے یزیدی قیصریت کے خلاف جو مجددانہ و مجاہدانہ اقدام کیا اسے غلط ثابت کرنے کی غرض سے عباسی صاحب نے بڑی دماغ سوزی سے کام لیا ہے، اور جس بحث کو ایک عنوان کے تحت چند صفحوں میں لکھ سکتے تھے اس کو درجن بھر عنوانوں کے تحت پھیلا پھیلا کر لکھا ہے اور مقصد

ہے یزید کے موافق حضرت امام عالی مقام رض کے خلاف ذہن تیار کرنا ،

عباسی صاحب کی کتاب کے عنوانات ذیل اسی فاسد مقصد سے تعلق رکھتے ہیں۔
(۱) اطاعت امر و ممانعت خروج (۲) خلافت کے امید وار (۳) حسین رض کا اقدام اور صحابہ کے نصائح (۴) برادران حسین رض کا موقف (۵) موقف صحابہ (۶) بنی ہاشم اور اموی خلافت (۶) کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں (۷) اقدام خروج کی غلطی (۹) بزرگوں سے رد و قدح (۱۰) اجتہادی غلطی اور دیگر عنوانات ـــــ

ہمارے نزدیک ان تمام عنوانوں پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں، ہم ایک جامع بحث کریں گے جو ان تمام عنوانوں کے مباحث پر مشتمل ہوگی، اور حق کی ایک ہی ضرب قلعہ باطل کے ان برجوں کو مسمار کر دے گی،

بنی ہاشم کے ساتھ اموی خلافت کا سلوک عباسی صاحب نے بڑے اہتمام سے یہ بتایا ہے کہ بنی ہاشم اور اموی خلافت کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے، اموی خلافت بنی ہاشم کے ساتھ بڑے حسن سلوک اور بڑی قدر و منزلت سے پیش آتی تھی، اور بنی ہاشم بھی اموی خلافت کے بڑے عقیدت مند اور وفا کیش تھے، حضرت امام حسین رض نے ناحق یزید کے خلاف خروج کیا (ص ۸۴ تا ۹۴) لیکن اس پروپیگنڈے کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی ایک جھلک دیکھئے ـ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں

"امیر معاویہ رض نے اپنے زمانے میں بر سر منبر حضرت علی رض پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے، مغیرہ بن شعبہ رض بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ رض کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم طریقے کے پابند تھے، حجر بن عدی رض اور ان کی جماعت کو قدرتاً اس سے تکلیف پہونچتی تھی، اس کے جواب میں وہ مغیرہ بن شعبہ رض اور امیر معاویہ رض کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے، مغیرہ رض اس پر باز پرس نہ کرتے۔"

ایک مرتبہ حسبِ معمول مغیرہ بن شعبہؓ جناب امیرؓ (حضرت علیؓ) کو برا بھلا کہہ رہے تھے، حجر بن عدیؓ نے ان پر کنکریاں پھینکیں، زبانی بھی بہت کچھ کہا سنا، اور بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہو گئے، مغیرہ بالکل خاموش رہے، اور پانچہزار دے کر حجرؓ کو راضی کیا۔" (تاریخ اسلام جلد ۲)

معلوم ہے یہ حضرت حجر بن عدیؓ کون تھے؟ یہ کوفہ کے ایک بزرگ صحابی تھے، رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سچے جاں نثار اور فدائی جو برابر حضرت حسنینؓ کے بھی اسی طرح وفا کیش اور محب رہے، اور مغیرہ بن شعبہؓ کوفہ کے اموی گورنر تھے،

اس سے آپ کو کچھ اندازہ تو ہوا ہو گا کہ بنی ہاشم کے ساتھ اموی خلافت کا سلوک کتنا مخلصانہ اور قدر دانہ رہا۔

مغیرہ بن شعبہؓ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر سب وشتم کریں لیکن وہ خلافتِ اموی کے با اثر رکن اور کوفہ کے گورنر ہونے کے باوجود خلافتِ دمشق کی رضا جوئی کرنے پر مجبور رکھے، اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اعیان و اکابرِ بنی ہاشم کی مجبوریوں کا کیا حال ہو گا؟ آپ نے اوپر یہ بھی دیکھا کہ تمام مملکت میں سب وشتم کی رسم جاری تھی، اس میں حرمین شریفین بھی داخل تھے، آہ مسجد نبویؐ کے منبر سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم پر سب وشتم، اور عباسی صاحب ہیں کہ ادھر ادھر کے بے محل روایت کے ذریعہ ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت امام حسنؓ اور سبھی اکابر بنی ہاشم اموی خلافت سے بہت خوش تھے، جب کہ مسجد نبویؐ کے منبر سے حضرت علیؓ کے متعلق دل آزار کلمات کے تصور ہی سے ہمارے دل درد و کرب سے لبریز ہو جاتے ہیں، گویا اس طرح عباسی صاحب ہمیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اکابر بنی ہاشم اتنے گر چکے تھے کہ وہ اس منکر کو دل سے بھی برا نہیں سمجھتے تھے،

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ پر کیا گذری؟ مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ہو گیا، زیاد بن ابی سفیان بصرہ کا گورنر تھا، کوفہ بھی اسی کے ماتحت کر دیا گیا، زیاد بصرہ گیا تو عمرو

بنا حریث کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا گیا، اس نے بھی سب وشتم کی رسم ادا کی حضرت حجرؓ بن عدیؓ نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں، ابن الحریث نے زیاد کو اطلاع دی، وہ کوفہ آیا اور حضرت عدیؓ اور ان کے رفقاء کو گرفتار کرکے دمشق بھیج دیا، اور لکھ دیا کہ جب تک ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے گا کوفہ میں سکون نہ ہوگا، امیر معاویہؓ نے حضرت عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا، ــــــ حضرت حجر بن عدیؓ اس مرتبہ کے صحابی تھے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو انھوں فوراً امیر معاویہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ مگر جب تک آدمی پہنچے ان کا کام تمام ہو چکا تھا، حضرت ام المومنینؓ پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ امیر معاویہؓ حج کر کے حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضری دینے گئے تو انھوں نے فرمایا۔ معاویہؓ! حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرتے ہوئے تم کو خدا کا خوف نہیں ہوا؟ (ص۱۵ و ص۱۶)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان کو حضرت معاویہؓ کی فوج کشی ہی کی وجہ سے خلافت سے دست بردار ہونا پڑا، اور اس کا ان کے دل پر جو اثر ہوا تھا اس کا اندازہ ان کی اس تقریر سے ہوا ہوگا جو انھوں نے خلافت سے دست برداری کے وقت حضرت معاویہؓ کے سامنے کی تھی، لیکن عباسی صاحب ان باتوں سے ہمیں بے خبر رکھ کر اموی خلافت کے قصیدے سناتے ہیں۔ عباسی صاحب سے پوچھئے یہ بتلانے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت بنی امیہ کو بخش دی تھی کہ انھوں نے حضرت حسنؓ سے خلافت چھین لی؟ خلافت پر نہ بنی ہاشم کا کوئی حق تھا اور نہ ملت اسلامیہ کا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو اس کا اجارہ دار بنا دیا تھا؟

جن راویوں اور مصنفوں کو عباسی صاحب شیعی، غالی، اور کاذب کہتے نہیں تھکتے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت کو داغدار ثابت کرنے کیلئے انھیں کے روایت کردہ جھوٹے واقعات نقل کرتے ہوئے نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ بندوں سے شرماتے ہیں۔ (ص۹۱ تا ص۹۳)

دنیا جانتی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس سیرت و کردار کے مالک تھے جس پر اسلام فخر کر سکتا ہے، ایسے بزرگ کو لٹیرا ثابت کرنا کسی یہودی اور نصرانی کا کام تو ہو سکتا ہے، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مسلمان ایسی جسارت کیسے کر سکتا ہے؟

عباسی صاحب حوالے دینے میں بڑے مستعد ہیں لیکن کوئی عباسی صاحب جیسی فرصت کہاں سے لائے جو ان کے ہر حوالے کو اس کے ماخذ سے مقابلہ کر کے دیکھے، مولینا اویس ندوی نے چار حوالوں کا ماخذوں سے مقابلہ کیا تو چاروں میں خیانت پائی گئی، (صدق جدید ص ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء) ہماری اس کتاب میں عباسی صاحب کی ایسی خیانتا و مغالطہ دہی کی کتنی مثالیں گذر چکی ہیں۔

ابن الحدید شارح نہج البلاغۃ کو عباسی صاحب نے برابر شیعی لکھتے ہیں، حالانکہ وہ خلافت اربعہ کو ماننے والا اور مسلکاً معتزلی تھا۔ (صدق جدید ص ۲۷ نومبر ۵۹ء)

حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ

عباسی صاحب نے نہایت منافقانہ انداز میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر و توہین کی ہے اسی انداز سے انھوں نے حضرت علیؓ کی شہادت کے سلسلے میں بھی کام لیا ہے (ص ۱۷) اور اس موقع پر بھی وہ لکھتے ہیں: "حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حسنؓ ہمیشہ اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی حسینؓ کو جدال و قتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے، اور صلح و مصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔" (ص ۸۵)

غور کیجئے، یہ بانداز منافقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی مدح ہے یا حضرت علیؓ مرتضیٰؓ اور حضرت امام حسینؓ کی ذم؟ گویا عباسی صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت عثمان ذی النورینؓ کی خلافت خلافت ملی نہ تھی، خلافت اموی تھی، حضرت علی مرتضیٰؓ کو چاہئے تھا کہ جس طرح حضرت امام حسنؓ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی، حضرت علیؓ

کرم اللہ وجہہ بھی خاموشی سے عنانِ خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دیدیتے، اور حضرت امام حسینؓ یزید کی امارت و امامت کو تسلیم کر لیتے۔

عباسی صاحب نے اس موقع پر امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے حضرت امام حسنؓ کی مدح میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ لیکن عباسی صاحب کی کتاب میں ان حدیثوں کی چھاؤں بھی نظر نہیں آتی جو ایک ساتھ ان دونوں بزرگوں کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ آپ ان کو یہاں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

وَقَالَ اِنَّ الْحَسَنَؓ وَالْحُسَيْنَؓ هُمَا رَيْحَانِي مِنَ الدُّنْيَا (مشکوٰۃ)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنؓ اور حسینؓ دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

اَيُّ اَهْلِ بَيْتِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَكَانَ يَقُولُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِي لِي اِبْنَيَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا اِلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ)

آپ کے اہل بیت میں آپ کو سب سے عزیز کون ہے؟ فرمایا۔ حسنؓ اور حسینؓ۔ سیدہ فاطمہؓ سے آپ فرماتے، میرے دونوں بیٹوں کو لاؤ (وہ آتے تو) حضورؐ ان کو سونگھتے اور اپنے سے چمٹا لیتے،

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضورؐ کو یکساں عزیز اور پیارے تھے، اور دونوں باغِ اہلبیت کے دو پھول کی حیثیت رکھتے تھے، البتہ خوشبو دونوں کی جدا جدا تھی۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اگر حضرت امام حسنؓ صلح و سلامتی کا نمونہ تھے تو حضرت امام حسینؓ باطل کے مقابلے میں شمشیر عریاں تھے، اور ملتِ اسلامیہ کیلئے دونوں نمونوں کی ضرورت تھی، شاعرِ اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو کس دلنشیں اور بلیغ اسلوب میں بیان کیا ہے،

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم

واں دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسے حضورؐ کی شبیہہ مبارک کے دو حصے تھے:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ أَشْبَهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ (مشکوٰۃ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حسنؓ سینے سے سر تک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے اور حسینؓ حضورؐ کے نچلے حصہ جسمِ مبارک سے مشابہت رکھتے تھے۔[1]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں جگر گوشوں سے بڑی محبت تھی، حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات بعض ضرورتوں سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضورؐ باہر نکلے تو کوئی چیز چادر میں لپیٹے ہوئے تھے جسے میں سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا ہے، میں اپنی ضرورت سے فارغ ہو چکا تو پوچھا۔ آپ یہ کیا چیز لپیٹے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے اسے کھول دیا، زانوئے مبارک پر حسنؓ اور حسینؓ تھے: فرمایا۔

هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا۔ (مشکوٰۃ)

یہ میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں خدایا! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اور جو شخص ان دونوں سے محبت کرے اسے بھی محبوب رکھتا ہوں

---

[1] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔
"گویا یہ شہزادے آنحضورؐ کا مجموعہ تھے، اور حضورؐ کا وجودِ مبارک ان دونوں حضرات کے درمیان تقسیم تھا!"
(اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص۷۰۵)

یہ شان بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حسن کے ساتھ عاسم ہے [illegible]

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت۔

۷۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت۔

۸۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دست برداری۔

۹۔ حکومتِ معاویہ کا قیام۔

جیسا کہ پیش لفظ میں بتایا گیا ہے "خلافتِ حضرتِ علیؓ اور امیر معاویہؓ" کے نام سے ہم نے علیحدہ ایک مستقل کتاب لکھی ہے، ان تمام واقعات و مباحث پر ہم نے مفصل و مدلل بحث تو اس کتاب میں کی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس کتاب کے بعد مولانا عامر عثمانی اور عباسی صاحب کے نقطۂ نظر سے کسی کو ان مباحث و مسائل پر قلم اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوگا۔ بیہاں ہم بھی عباسی صاحب کی طرح ان مباحث پر اختصار ہی کے ساتھ لکھیں گے۔ لیکن اتنے ہی سے ہمارے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان واقعات و مباحث کی اصل صورت کیا ہے اور عباسی صاحب نے ان کو کس طرح مسخ کر کے سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید رنگ میں پیش کیا ہے۔

انعقادِ خلافت حضرت علیؓ سے انکار

تمام دنیائے اسلام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلیفۂ راشد مانتی ہے اور اسی حیثیت سے جمعہ و عیدین کے خطبات میں آپ کا نام نامی لیا جاتا ہے مگر مولانا عثمانی مدیر تجلی نے بشد و مد آپ کی خلافت سے انکار کیا ہے کہ ناہیں دبی زبان سے آپ کو خلیفہ مانا بھی ہے تو محض اس لئے کہ امت آپ کو خلیفہ مانتی ہے ورنہ از روئے واقعات خلافتِ مرتضوی کو کالعدم ہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عثمانی کے تیکھے تیور ملاحظہ ہوں۔ ایک مستفسر کے جواب میں فرماتے ہیں۔ "آپ ملازمت کی قسموں کی بات کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے پہلے خلافتِ علیؓ کے آئینی انعقاد کو تو ثابت کر لیجیے" آگے چل کر فرمایا جاتا ہے: "جس گروہ نے خلیفۂ ثالث عثمانؓ کو بے دردی سے ذبح کیا تھا

لہ۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:۔ "جو شخص حضرت علیؓ کی خلافت کو نہیں مانتا وہ گدھے سے زیادہ گمراہ ہے" خلافت سے علیؓ کی زینت نہیں، بلکہ علیؓ سے خلافت کی زینت ہے۔" کسی صحابی کی فضیلت میں اتنی صحیح حدیثیں نہیں جتنی

آخرت میں بھی دونوں حضرات کا مرتبہ یکساں ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (مشکوٰۃ)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حسنؓ اور حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

خاص حضرت امام حسینؓ کے بارے میں حضرت یعلیٰ سے روایت ہے۔

حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ۔ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ۔ (مشکوٰۃ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں، جو حسینؓ سے محبت رکھتا ہے اس سے خدا بھی محبت رکھتا ہے، حسینؓ میرے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہے۔

اگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک حدیث میں صلح و مصالحت کی خبر ہے تو متعدد احادیث میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی بھی خبر ہے، ان حدیثوں کے مطالب و مضامین کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ حضرت امام عالی مقامؓ کی شہادت حضورؐ کیلئے کیا حیثیت رکھتی تھی، اور عباسی صاحب نے اسے کیا حیثیت دی ہے،

ام الفضلؓ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی والدہ محترمہ اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن تھیں، حضرت فضلؓ حضرت عبداللہؓ کے بڑے بھائی تھے، حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

انھا دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالت رأیتُ حلماً منکراً اللیلۃ قال وما ھُوَ قالت انہ شدید۔ قال وما ھُوَ قالت رأیت کان قطعۃ من

وہ ایکبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں، اور عرض کیا۔ میں نے ایک بڑا برا خواب دیکھا ہے، حضورؐ نے پوچھا وہ خواب کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ بڑا سخت خواب ہے۔ فرمایا آخر وہ ہے کیا؟ انھوں نے عرض کیا۔ میں نے

جسدك قطعت ووضعت في
حجري فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم رأيت خيرا تلد فاطمة
انشاء الله غلاما يكون في حجرك
فولدت فاطمة الحسين فكان
في حجري كما قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم فدخلت يوما على
رسول الله صلى الله عليه وسلم
فوضعته في حجره ثم كانت مني
التفاتة فاذا عينا رسول الله
صلى الله عليه وسلم تهريقان الدموع
قالت فقلت يا نبي الله بابي
انت وامي مالك قال اتاني
جبرئيل فاخبرني ان امتي ستقتل
ابني هذا فقلت هذا قال نعم،
واتاني تربة من تربته حمراء۔
(مشکوٰۃ)

دیکھا کہ حضورؐ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ
کر میری گود میں رکھ دیا گیا، حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے
بہت اچھا خواب دیکھا ہے، انشاء اللہ فاطمہؓ کو ایک
بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ تمہاری گود میں رکھا جائے گا
حضورؐ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، فاطمہؓ کو بیٹا
پیدا ہوا، اور وہ میری گود میں دیا گیا، اس کے بعد ایک
روز میں پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئی اور میں نے حسینؓ کو حضورؐ کی گود میں ڈال
دیا، اس کے بعد میری توجہ دوسری سمت چلی گئی، پھر اچانک
میں نے دیکھا کہ حضورؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو
جاری ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے نبی!
آپ پر میرے باپ ماں قربان! یہ آپ کی کیا حالت
ہے؟ فرمایا۔ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے، اور مجھ
کو خبر دی کہ عنقریب میری امت اس بیٹے کو قتل کر
ڈالے گی، میں نے حیرت سے عرض کیا حسین کو؟
فرمایا۔ ہاں۔ اور جبرئیل میرے پاس اس کے مقتل کی (اس
کے خون سے) سرخ مٹی بھی لائے تھے،

دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ انھوں نے فرمایا

انه قال رأيت النبي صلى الله
عليه وسلم فيما يرى النائم ذات
يوم بنصف النهار اشعث اغبر

میں نے ایک روز دوپہر میں حضرت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ سر کے بال الجھے
ہوئے اور غبار آلود ہیں، اور حضورؐ کے دست

بِيَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِيْهَا دَمٌ فَقُلْتُ — مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے
بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا هٰذَا قَالَ — میں نے عرض کیا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان، یہ کیا
هٰذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَاَصْحَابِهٖ۔ الخ — ہے؟ فرمایا۔ یہ حسینؓ اور ان کے رفقاء کا خون ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ بیہقیؒ نے ادپر کی دونوں حدیثوں کو "دلائل النبوۃ" میں روایت کیا ہے اور آخری حدیث امام احمدؒ نے بھی روایت کی ہے، آخری حدیث کو شاہ ولی اللہؒ نے بھی ازالۃ الخفاء (ص ۱۵۱) میں نقل کیا ہے۔

حضرت سلمیٰؓ حضرت حذیفہ کی بیوی تھیں، اور حرم نبویؐ میں اکثر آیا جایا کرتی تھیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی دایہ بھی رہ چکی تھیں، وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک خواب بیان کرتی ہیں،

قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ — وہ کہتی ہیں کہ ایکبار میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی
وَهِيَ تَبْكِيْ فَقُلْتُ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ — وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہی ہیں؟
رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ — فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں
سَلَّمَ تَعْنِيْ فِي الْمَنَامِ وَعَلٰى رَاْسِهٖ — دیکھا ہے کہ آپ کا سر اقدس اور ریش مبارک گرد
وَلِحْيَتِهٖ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا — آلود ہے، میں نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول! یہ آپ
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ — کا کیا حال ہے؟ فرمایا۔ (میرا بیٹا حسینؓ قتل کردیا گیا ہے)
اٰنِفًا۔ (مشکوٰۃ) — میں ابھی قتل حسینؓ کے موقع پر موجود تھا،

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعلق اشکال پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ ایک قول کے مطابق حضرت ام سلمہؓ نے ۵۹ھ میں وفات پائی اور دوسرے قول کے مطابق ۶۲ھ میں، دوسرے قول کے مطابق تو کوئی اشکال نہیں، پہلے قول کے مطابق بھی اشکال کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ نے سانحۂ کربلا سے پہلے ہی یہ خواب دیکھا ہوگا، جس ہونے والے سانحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات مبارک میں بھی رلایا اور بعد وصال بھی وہ عباسی صاحب

کیلئے ایک واقعۂ مسرت وشادمانی ہے، کیونکہ وہ آپ کے امیر المومنین کے ایک باغی کا قتل تھا، نعوذ باللہ من ذلک،

صحابۂ کرامؓ اور اقدامِ حضرت امامؓ

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بے مغز اور ناعاقبت اندیش ثابت کرنے کیلئے بڑی محققانہ شان سے بتایا ہے کہ وہ سبائی فتنہ کے شکار ہو گئے تھے، اور یہی الزام حضرت امام حسینؓ پر عائد کیا ہے، (ص۹۷) لیکن عباسی صاحب اپنی مانی ہوئی تاریخ "اخبار الطوال" کے حوالہ سے ہمیں بتا آئے ہیں کہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں اہل کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تو آپ نے ان کو لکھا کہ تم ابھی خاموش بیٹھو، معاویہؓ کے بعد میں تم کو اپنی رائے سے مطلع کروں گا، (ص۲۱)

اس سے واضح ہے کہ حضرت امام حسینؓ اموی خلافت سے متفق نہ تھے، یزید کے خلاف حضرت امام عالیمقامؓ کے خروج کے متعلق عباسی صاحب کے دوست کے مسلم الثبوت مورخ علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں۔

"جب یزید کا فسق و فجور تمام اہلِ زمانہ کے سامنے آشکارا ہو گیا، تو طرفدارانِ اہلبیت نے کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو بلوا بھیجا اور لکھا کہ آپ تشریف لائیں، ہم آپ کی حمایت کیلئے تیار ہیں، حضرت امامؓ نے خیال فرمایا کہ یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی خصوصاً اب کہ اس پر قدرت بھی ہے تو تاخیر کیوں کی جائے؟"

(ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص۲۱۳)

ان دونوں مورخوں کے بیانات سے واضح ہے کہ حضرت امام حسینؓ یزید کی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی بنا پر خود خروج کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے، نہ کہ آپ اہلِ کوفہ کے فریب میں آگئے تھے،

عباسی صاحب نے حضرت امام عالیمقامؓ کے خروج کی غلطی ثابت کرتے ہوئے بتایا ہے

کہ یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی یا برائی نہ تھی جس سے خروج کا جواز ثابت ہو سکے، اور شہادت میں زمانۂ حال کے ایک مورخ الخضری کو دھر لا کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے (ص ۹۷)
کوئی ہمیں بتلائے کہ ہم الخضری صاحب کو شاہد عادل مانیں یا عباسی صاحب کے ملنے ہوئے امام المورخین علامہ ابن خلدون کو؟ امام کے آگے مقتدی کی کیا حیثیت ہے؟ پھر خضری صاحب سے قبل کتنے ہی ائمہ وسلف یزید کے فسق وفجور پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں، اس لئے عباسی صاحب کا دعویٰ غلط اور حضرت امام عالیمقام رضی اللہ عنہ کا خروج حق اور صحیح ثابت ہو گیا، رہا ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ جنھوں نے حضرت امام کو خروج سے روکا، اور ان کا ساتھ نہیں دیا ان کے معاملے کے متعلق ہم آخر میں تفصیل سے لکھیں گے، اس مسئلے میں بھی عباسی صاحب نے بڑی فریب کاری سے کام لیا ہے، عمر و سال کا گز لے کر اور اسے ناپ ناپ کر بتایا ہے کہ تمام بالغین خروج بڑے تھے اور حضرت امام عالی مقام سب سے چھوٹے، عباسی صاحب کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے حضرت امام کے خروج کے غلط ہونے کی، حضرت ابن عباس بھی بالغین خروج میں تھے، اس لئے ان کی علمی بزرگی کے ساتھ ان کی سنی بزرگی دکھلانے کے بعد عباسی صاحب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف پانچ ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادی برحق نانا کے نہ حالات ومعمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبان مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں کوئی ارشاد!" ص ۹۹

کتنے پیارے الفاظ ہیں اور کتنا پیارا اسلوب، لیکن کتنا فریب کارانہ ومنافقانہ، گویا حضرت امام نے اسی پانچ ساڑھے پانچ سال ہی کی عمر میں یزید کے خلاف خروج کیا جب کہ وہ کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، یا پھر وہ آخر عمر تک اپنے مقدس وہادی برحق نانا کے حالات ومعمولات اور اسلامی سیاسی ارشادات سے لاعلم ہی رہے، ذرا عباسی صاحب سے پوچھئے

حضرت امامؓ تو سیاستِ نبویؐ سے بے بہرہ رہے، مگر آپ چودہویں صدی میں پیدا ہو کر سیاست امویہ کے محقق کیسے ہو گئے؟ صحابہ کرامؓ اور حضرت امام حسینؓ سے متعلق ایک اصولی بات سمجھ لی جائے پھر عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں جہاں بھی اس فریب دہی سے کام لیا ہے اس کی بے حقیقتی واضح ہو جائے گی،

حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ کچھ بچے یا بے علم نہ تھے، حضرت ابن عباسؓ ہوں حضرت ابن عمرؓ ہوں، حضرت ابن الحنفیہؓ ہوں، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہوں، کوئی بزرگ ہوں ان کے علم و کمال اور حضرت امامؓ کے علم و فضل سے مقابلہ محض مغالطہ ہے: یہ امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جس طرح دوسرے حضرات مجتہد تھے اسی طرح حضرت امام حسینؓ بھی مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے جس طرح دوسرے حضرات کو اپنے لئے راہِ عمل متعین کرنے کا حق حاصل تھا، اسی طرح حضرت امامؓ کو بھی یہ حق حاصل تھا۔ اگر صحابہ کرامؓ نے حضرت امامؓ کو خروج سے منع کیا اور سمجھایا تو وہ ان کے اجتہاد کے مطابق تھا، اور حضرت امامؓ نے اقدام خروج کیا تو اپنے اجتہاد کی رو سے کیا، ہر مجتہد پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرے کسی دوسرے کی رائے پر عمل کرنا اس کیلئے جائز نہیں۔

اس بحث کے ضمن میں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ جو حضرات یزید کے خلاف خروج کے مخالف تھے ان کی مخالفت کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کے نزدیک یزید بڑا متقی و پرہیزگار، اور صالح امیر المومنین تھا، جیسا کہ عباسی صاحب نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ تھا تو ان حضرات کے نزدیک بھی فاسق و بدکردار ہی، بات صرف یہ تھی کہ وہ خروج کو احتیاط و مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، اور ایسا سمجھنے کیلئے ان کے سامنے بھی شرعی دلائل موجود تھے، ان کے برعکس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کے مطابق مردانہ وار یزیدی اقتدار سے ٹکرا گئے،

حضرتِ امامؓ نے جس راہ کا انتخاب کیا اس کی عظمت کو بے چارے عباسی کیا سمجھیں گے

اسے حکیم الامت علامہ اقبال سے سنئے۔

عقل در پیچاکِ اسباب و علل
عشق چوگان بازِ میدانِ عمل

آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند

عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند

آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ
سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر

بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او
شوخئ ایں مصرع از مضمونِ او

درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہم چو حرفِ قُلْ هُوَ اللّٰه در کتاب

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کیا مقام تھا، اس کے متعلق آپ نے ابھی احادیث دیکھیں، یہاں حضرت امامؓ کے ایک ہم عصر بزرگ کی رائے سنئے۔ یہ بزرگ ہیں بنی امیہ کے بزرگ ترین صحابی حضرت معاویہؓ کے دستِ راست حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ جو طاعت و عبادت اور حق پرستی میں خاص امتیاز رکھتے تھے، حضرت معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ ایک جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ جیسے بزرگ صحابی تھے، حضرت عبد اللہؓ نے حضرت حسینؓ کو آتے دیکھ کر فرمایا۔ کیا تمہیں ایسے شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کیوں نہیں؟ فرمایا۔ وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعۂ صفین کے بعد سے اس سے میری کوئی گفتگو نہیں ہوئی حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے، ابو سعید خدریؓ نے کہا۔

کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟ بولے۔ کیوں نہیں؟ دوسرے روز ابو سعید خدری کو ساتھ لے کر عذر خواہی کو گئے، حضرت امام کو ملنے میں تامل تھا، باصرار اجازت حاصل کر کے ملاقات کی، اور کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق باپ کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن بخدا جنگ صفین میں نہ تلوار نیام سے نکالی، نہ نیزے کا استعمال کیا، نہ تیر چلایا" (سیر المہاجرین تذکرہ عمرو بن العاص ۔ بحوالہ اسد الغابہ)

یزیدی حکومت اور یزید از روئے حدیث

اب یہ دیکھئے کہ یزید کی حکومت از روئے حدیث کیسی تھی؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملکاً عاضاً فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ ثم یکون ملکاً جبریۃ فیکون ماشاء اللہ تعالیٰ ان یکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ثم سکت۔

جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت کا دور رہے گا، پھر اللہ اسے اٹھالے گا، پھر جب تک اللہ چاہے گا تم میں خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور رہے گا پھر اللہ اس کو بھی اٹھالے گا، پھر ملک عضوض کا دور آئے گا، اور جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گا پھر اسے بھی اٹھالے گا، اس کے بعد ملک جابرہ کا دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گا پھر اس کو بھی اٹھالے گا، پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا، یہ فرمانے کے بعد حضور خاموش ہو گئے۔

اس حدیث کو مولانا اسماعیل شہید نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں نقل کیا ہے۔ ملک عضوض سے مراد خلفائے راشدین کے بعد ہونے والے بنو امیہ اور بنو عباس کے ملوک و سلاطین ہیں، جن کا بیان آگے ہے۔

سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے (جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے) روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضؓ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ قَالَ سَعِيْدٌ قَالَ لِي سَفِيْنَةُ اَمْسِكْ عَلَيْكَ اَبَابَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَعُمَرَ عَشْرًا وَعُثْمَانَ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَعَلِيٌّ كَذَا۔ قَالَ سَعِيْدٌ قُلْتُ لِسَفِيْنَةَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اِنَّ عَلِيًّا لَمْ يَكُنْ بِخَلِيْفَةٍ قَالَ كَذَبَتْ اَسْتَاهُ بَنِي الزَّرْقَاءِ يَعْنِي بَنُو مَرْوَانَ

خلافت نبوت تیس سال تک ہے، پھر اللہ جسے چاہے گا ملک دے گا، سعیدؒ کہتے ہیں اس کے بعد سفینہؓ نے مجھ سے کہا کہ ابوبکرؓ کے دو سال لو اور عمرؓ کے دس سال، اور عثمانؓ کے بارہ سال اور علیؓ کے اتنے سال، سعیدؒ کہتے ہیں میں نے سفینہؓ سے کہا۔ بنو مروان کے لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ خلیفہ نہ تھے، حضرت سفینہؓ نے فرمایا۔ بنو زرقاء یعنی بنو مروان جھوٹے ہیں۔

یہ ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ امام ترمذی کی روایت میں یوں ہے۔

قَالَ سَعِيْدٌ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْخِلَافَةَ فِيْهِمْ قَالَ كَذَبَ بَنُو الزَّرْقَاءِ بَلْ هُمْ شَرُّ الْمُلُوْكِ۔

سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفینہؓ سے عرض کیا کہ بنی امیہ کا دعویٰ ہے کہ خلافت ان کے اندر باقی ہے، حضرت سفینہ نے فرمایا۔ بنو زرقاء (بنو امیہ) جھوٹے ہیں، (وہ خلیفہ نہیں) بلکہ بدترین بادشاہ ہیں

یہ ہیں بنوامیہ اور عباسی صاحب کے محترم مروان صاحب! حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کیا ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ خود عباسی صاحب کی حق پسندی اور دیانت کا یہ حال ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کی بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں خلافت راشدہ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر ختم ہو گئی، اور اسی حدیث سے اپنے دعوے پر استدلال کرتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت کو ملکِ عضوض قرار دیتے ہیں، اس کے بعد جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کی بحث کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت

خلافتِ راشدہ سے خارج ہوئی جاتی ہے تو اس حدیث کو وضعی قرار دیدیتے ہیں اور لگتے ہیں فنِ حدیث کی داد دینے، حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ جیسے اکابر نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اسے صحیح مانا ہے۔ قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے اپنی تنقید میں عباسی صاحب کی خوب خبر لی ہے۔ (انقلاب ۲۲ تا ۲۲ دسمبر ۵۹ء)

بخاری شریف کی ایک روایت ملاحظہ کیجئے۔ یحییٰ بن سعید بن عمرو سعید نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے دادا سعید بن عمرو بن سعید نے خبر دی۔ فرمایا

کنت جالسًا مع ابی ھریرۃ فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مروان معنا قال ابو ھریرۃ سمعت الصادق المصدوق صلے اللہ علیہ وسلم یقول ھلکۃ امتی علی ایدی غِلمۃ من قریش فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ فقال ابو ھریرۃ لو شئت ان اقول بنی فلان بنی فلان لفعلتُ فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا الشام فاذا راٰھم غلمانا احداثًا قال لنا عسیٰ ھؤلاء ان یکونوا منھم قلنا انت اعلم (کتاب الفتن)

میں حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ مسجدِ نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا، ہمارے ساتھ مروان (مدینے کا گورنر) بھی تھا، ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ میں نے صادق و مصدوق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت کی تباہی قریش کے کچھ نوعمر لونڈوں کے ہاتھ سے ہوگی، مروان نے کہا۔ ان لونڈوں پر خدا کی لعنت، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ اگر میں کہنا چاہوں تو فلاں فلاں (یعنی نام بنام) کہہ سکتا ہوں، (راوی کہتے ہیں) جس زمانے میں بنو مروان ملکِ شام کے حکمراں ہوئے میں اپنے دادا کے ساتھ شام جایا کرتا تھا، میرے دادا بنو مروان کے نوجوان لونڈوں کو دیکھتے تو ہم سے کہتے۔ یہ انھیں میں سے ہیں (جن کے ہاتھ حضور نے اس امت کی تباہی کی خبر دی ہے)۔ ہم کہتے اسے آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں امام ابن ابی شیبہؒ کے حوالے سے

وہی گروہ اگر خلافت علیؓ کا مؤسس و مؤید نظر آرہا ہو اور اس کے قہر و تسلط کی نگرانی میں بیعت علیؓ کا مطالبہ اٹھایا جا رہا ہو تو کتنے افراد ایسے ہو سکتے ہیں جو یہ نہ سمجھیں کہ بیعت علیؓ کا مطالبہ ایک ایسے اقتدار کی وفاداری کا مطالبہ ہے جو جبر و استبداد اور دجل و سازش کے ذریعہ منہ آرا ہوا ہے ۔۔۔۔۔۔ ،، (تجلی ستمبر ۱۹۵۹ء) کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے متعلق ایسے شر انگیز اور اہانت آمیز الفاظ کسی مسلمان کے قلم سے نکلے ہوں گے ؟

محمود احمد عباسی صاحب کا اسلوب تحریر مولانا عثمانی سے بالکل نرالا ہے ، انھوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف بحث کرنے کی بھی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی ہے ، آپ کے نزدیک گویا یہ ایک طے شدہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سبائی پارٹی کے لیڈر مالک اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کو روکا اور تنبیہ کیا کہ اگر بھائی بلوائیوں سے آپ کا تعلق رہا تو خون عثمان کا آپ ہی کو ملزم قرار دیا جائے گا ، مگر آپ نے بھائی کے عاقلانہ مشورے کو قبول نہیں کیا اور بیعت لے لی ۔ آخر نتیجہ وہی ہوا جس کا اندیشہ حضرت ابن عباسؓ نے ظاہر کیا تھا ۔ اکابر صحابہؓ نے آپ سے بیعت نہیں کی اور آپ کی بیعتِ خلافت مکمل نہ ہو سکی ، عثمانی صاحب کے انداز نگارش کے بعد عثمانی صاحب کا طرز تحریر بھی دیکھ لیجیے ۔ لکھتے ہیں ۔

” یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی ، ۔۔۔۔۔ یہی باغی اور قاتل اور اس گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا عرف ابن السوداء علی کے گروہ میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز رہے اکابر صحابہ نے بیعت کرنے

(صفحہ ۱۱ کا بقیہ حاشیہ) حضرت علیؓ کے حق میں ہیں ۔“ (ماخوذ از کتاب ”امام احمد بن حنبل“ مؤلفہ ملک نصر اللہ خاں عزیز صفحہ ۹۹)

لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بازار میں چلتے ہوئے دعا مانگتے۔ اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان۔ خدایا! مجھے ۶۰ھ کا زمانہ نہ ملے، اور نہ لڑکوں کی امارت کا دور۔

اس کے بعد علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ۶۰ھ میں نوعمروں کا پہلا زمانہ ہوگا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اس لئے کہ یزید بن معاویہ اسی سنہ میں خلیفہ بنایا گیا۔ مزید تحریر فرماتے ہیں۔۔۔

وان اولھم یزید کما دل علیہ قول ابی ھریرۃ راس الستین وامارۃ الصبیان فان یزید کان غالبًا ینتزع الشیوخ من امارۃ البلدان الکبار ویولیھا الاصاغر من اقاربہ۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص۸)

ان نوعمر لونڈوں میں سب سے پہلا یزید ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول "ساٹھ سال اور لونڈوں کی حکمرانی" اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یزید عام طور پر بڑے بڑے شہروں کی حکومت سے کبیر السن لوگوں کو ہٹا کر اپنے قرابت دار کم عمروں کو گورنر بناتا تھا،

(انقلاب ۲۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں

"ابوہریرہؓ می شناخت ایشاں را باسماء و اشخاص ایشاں و سکوت می کرد از تعیین و نام بردن ایشاں از جہت ترس و مفسدہ، و مراد یزید بن معاویہؓ و عبیداللہ بن زیاد و مانند ایشاں اند از احداث و نوسالان بنی امیہ خذلھم اللہ۔ و بہ تحقیق صادر شدن از ایشاں قتل اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و بند کردن ایشاں و کشتن خیار مہاجرین و انصار۔ آنچہ صادر شد از حجاج کہ امیر الامرائے عبدالملک بن مروان بود و از سلیمان بن عبدالملک و اولاد او از ریختن خونہا و تلف کردن مالہا۔ آنچہ پوشیدہ نیست بر ہیچ کس۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص۳۰۲)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ اسماء و اشخاص کے ساتھ ان قریشی نوجوان لونڈوں کو

پہچانتے تھے جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، لیکن ان کے فتنہ و فساد کے اندیشے سے نعتین کے ساتھ ان کے نام لینے سے سکوت فرماتے تھے، اور احادیث سے مراد یزید بن معاویہ اور عبید اللہ بن زیاد اور انھیں کے جیسے نوجوان قریشی لونڈے ہیں، اللہ ان کو رسوا کرے، اور یہ تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل اور اسیر کیا، اور مہاجرین و انصار کے نیکوکاروں کو مار ڈالا، یہی سب افعال حجاج سے صادر ہوئے جو عبد الملک بن مروان کا امیر الامرا تھا، اور سلیمان بن عبد الملک اور اس کی اولاد کے ہاتھ سے لوگوں کی خونریزی اور مال کی بربادی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

یہ ہے وہ یزیدی حکومت اور یہ ہیں یزید، ابن سعد، ابن زیاد وغیرہم جیسے خلفائے راشدین اور جن کو امیر المومنین و خلفائے راشدین ثابت کرنے کیلئے عباسی صاحب نے پورے چار سو صفحے کی کتاب لکھ ڈالی ہے، عباسی صاحب مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا چاہیئے۔ لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی بنو امیہ خذلہم اللہ فرماتے ہیں، مسلمان حضرت شیخ محدث کی بات مانیں یا محقق عباسی صاحب کی؟ مشکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ سنہ ستر ہجری کے سال کے شر اور لونڈوں کی امارت سے پناہ مانگا کرو۔ شیخ عبد الحق محدث نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یزید کی امارت ہے یعنی مروان کی امارتیں ہیں (اشعۃ اللمعات) یزید میں اسکی نو عمری ہی سے فسق و فجور کی علامتیں موجود تھیں، علامہ ابن کثیر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

کان یزید فی حداثته صاحب الخمر یاخذ ما یاخذ الاحداث فاحس معاویة بذلك فاحب ان یعظه فی رفق (البدایه والنهایه جلد ۸)	یزید بن معاویہ رض نوجوانی ہی میں شرابی ہو گیا تھا اور آوارہ نوجوانوں کا راستہ اختیار کر چکا تھا۔ چنانچہ جب معاویہ رض نے اس کو محسوس کیا تو اسے نرمی سے سمجھایا۔

اسی حدیث کی شرح میں شاہ محدث دہلوی نے آنحضرت کی یہ حدیث بھی لکھی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں لونڈوں یعنی قریش کے کمسنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ میرے منبر پر بندروں کی طرح کھیل کود رہے ہیں (اشعۃ اللمعات)

دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

قلت یزید بن معاویۃ اکثر ما اتھم علیہ فی عملہ شرب الخمر واتیان الفواحش ۔۔۔ الخ	میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ شراب خواری اور بدکاری میں اس سے کہیں زیادہ تھا جتنا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

(ایضاً جلد ۸ ص ۲۳۱ انقلاب ۹ دسمبر ۱۹۵۹ء)

یزید کے متعلق اس کے کردار اور ولی عہدی کی بحث میں آپ ائمہ و محدثین اور اکابر کی جو تصریحات دیکھ چکے ہیں ان کو ذہن میں تازہ کرلیں،

امامت و امارت کی دو قسمیں

عباسی صاحب نے احادیثِ امتناعِ خروج خلاف امیر کو پیش کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف اور اقدام خروج کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس اہم مسئلہ پر محض نظری اور علمی بحث کر کے حضرت امام حسینؓ کے موقف اور اقدام کے متعلق صحیح نتیجے پر نہیں پہنچا جاسکتا، اسکی واقعاتی اور عملی حالت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔

پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ خلافت و امارت کی ایک ہی قسم نہیں ہے، اسکی دو قسمیں ہیں

(۱) صحیح اسلامی خلافت و امارت جو اسلام کے معیار کے مطابق ہو، جس کا خلیفہ مسلمانوں کا منتخب ہو، جس کا دستور کتاب و سنت کے مطابق ہو، جس کے سیاسی و اجتماعی امور و مسائل اہل حل و عقد کے مشورے سے انجام پاتے ہوں، جس کا بیت المال مسلمانوں کا بیت المال ہو، خلیفہ صرف اس کا منتظم اور امین ہو، جس کا خلیفہ اور امیر دستورِ خلافت کا خود سب سے زیادہ پابند ہو، اسلام کے اوامر و نواہی اور معروفات و منکرات کی پابندی میں خلیفہ مسلمانوں کیلئے معیار اور نمونہ ہو، مختصر یہ کہ جیسے خلفائے اربعہؓ تھے، اور جیسی خلافت خلفائے اربعہؓ کی خلافت تھی، یا جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے خلیفہ و امیر ہوں،

(۲) نام نہاد (اسلامی) خلافت و امارت اور نام نہاد امیر و خلیفہ، جس نے صحیح اور غلط

ہر طرح کی تدبیر سے کام لے کر حکومت و اقتدار حاصل کر لیا ہو، جس کا دستور و آئین کتاب و سنت کے عین مطابق نہ ہو، یا ہو تو اس پر پورے طور پر عمل درآمد نہ ہوتا ہو، دوسروں کیلئے کچھ احکام و قوانین ہوں اور امیر و خلیفہ، اُس کے اعوان و ارکان، اور اعزہ و اقربا کیلئے کچھ اور، خلافت میں سرے سے شوریٰ کا وجود ہی نہ ہو، یا غلط ہو، جس کے بیت المال پر خلیفہ کو ایسا ذاتی اختیار و تصرف حاصل ہو کہ خلیفہ اس کو اپنی ملک کے طور پر استعمال کرتا ہو، جس کو چاہتا ہو دیتا ہو اور جس کو چاہتا ہو محروم رکھتا ہو، اپنی مصلحت اور مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہو، مسلمانوں کو مواخذہ اور احتساب کا حق حاصل نہ ہو، خلیفہ کی حاکمانہ اور ذاتی زندگی مسلمانوں کی تنقید سے بالکل آزاد ہو، وہ جس طرح چاہتا ہو، من مانے طور پر سلطنت اور حکومت کے امور و مسائل انجام دیتا ہو، اور خود جیسی زندگی چاہتا ہو گذارتا ہو مسلمانوں کو نہ جرح و تنقید کا حق حاصل ہو اور نہ نظام خلافت اور خلیفہ کو بدلنے کا۔ ایسی خلافت محض نام کی خلافت ہوتی ہے، اور ایسی خلافت کا فرماں روا و حکمراں محض نام کا خلیفہ ہوتا ہے۔

یزید کی امارت و امامت

یزید کی امارت و خلافت بھی اسی دوسری قسم میں داخل تھی اور اسی اعتبار سے یزید امیر و خلیفہ کہلاتا تھا نہ کہ ان معنوں میں جن معنوں میں حضرت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم امیر اور خلیفہ کہلاتے تھے، اور جس کا ڈنکا عباسی صاحب نے پیٹا ہے، امام ابن تیمیہؒ کی تصریحات ملاحظہ ہوں،

(۱) لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدين كما قال بعض الجهلة من الاكراد (ص۲۷۹)	ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ یزید خلفائے راشدین میں سے ہے (یعنی انھیں کی طرح خلیفہ راشد ہے) جیسا کہ بعض جاہل کردوں نے کہا ہے۔
(۲) خلافة النبوة ثلاثون سنة صار ملكا كما ورد في الحديث وان عنيت باعتقاد امامة	خلافت نبویہ کی مدت تیس سال ہے، اس کے بعد ملوکیت قائم ہو گئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، (پس یزید خلیفہ راشد تو ہو نہیں سکتا، البتہ)

يزيد انه كان ملك وقته و
صاحب السيف كامثاله من
المروانية والعباسية فهذا امر
متيقن (ص١٨١)

(٣) فكون الواحد من هولاء
اما بمعنى انه كان له سلطان
ومعه السيف يولي ويعزل ويعطي
ويحرم ويحكم وينفذ ويقيم الحد
ويجاهد الكفار ويقسم الاموال
امر مشهور متواتر لا يمكن جحده
وهذا معنى كونه اماما وخليفة
وسلطانا كما ان امام الصلوة
يصلي بالناس فاذا رأينا رجلا
كان القول بانه امام امر
مشهود محسوس لا يمكن المكابرة
فيه واما كونه برا او فاجرا مطيعا
او عاصيا فذلك امر اخر فاهل
السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد
من هولاء يزيد او عبد الملك او
المنصور او غيرهم كان بهذا الا
عتبار (ص١٨١ تا ص١٨٢)

اگر تم یزید کی امامت کے اعتقاد سے یہ مراد لیتے ہو
کہ وہ اپنے وقت کا بادشاہ اور صاحب سیف
تھا، جیسے اس کے جیسے دوسرے مروانی اور عباسی
حکمران، تو یہ بات یقینی ہے (کہ آپ کو ملک و اقتدار حاصل تھا)
یزید اور مروانی و عباسی حکمرانوں میں سے کسی
کا امام ہونا اس معنی میں ہے کہ اس کو اقتدار
حاصل تھا، اس کے ساتھ تلوار تھی، وہ جسے
چاہتا تھا منصب ولایت پہ مامور کرتا تھا، جسے
چاہتا تھا معزول کر دیتا تھا، جسے چاہتا تھا عطا
کرتا تھا اور جسے چاہتا تھا محروم رکھتا تھا، وہ
حکم دیتا تھا اور اسے نافذ کرتا تھا، وہ کفار سے
جہاد کرتا تھا اور مال تقسیم کرتا تھا، یہ سب کچھ مشہور
و متواتر بات ہے، اس کا انکار ممکن نہیں، اور یہی
معنی ہیں یزید کے امام خلیفہ اور سلطان ہونے کے
جیسا کہ امام نماز جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے پس جب
ہم کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھیں
تو یہ کہنا کہ وہ امام ہے تو وہ ایک دیکھی ہوئی اور محسوس
بات ہوگی، جس میں کسی مکابرہ ممکن نہ ہوگا، رہا اس کا نیک
و بد، اطاعت گزار یا نافرمان ہونا تو یہ دوسری بات ہے
اہلسنت یزید یا عبد الملک یا منصور وغیرہم میں سے
کسی کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اسی اعتبار سے

احادیثِ ممانعتِ خروج والکارِ اطاعت کی دو اقسام

جس طرح امارت و امامت کی دو قسمیں ہیں اسی طرح امیر و امام کی اطاعت سے انکار اور اس کے خلاف خروج کی ممانعت سے متعلق احادیث بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم ان حدیثوں کی ہے جو حقیقی و عادل امیر و امام سے متعلق ہیں۔ اور دوسری قسم ان حدیثوں کی جو مجازی اور غیر عادل امیر و امام سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں قسم کی حدیثیں اپنے مضامین سے صاف پہچان لی جاتی ہیں، ہم مثال کے طور پر دونوں قسموں کی کچھ حدیثیں نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ حقیقی، صالح اور عادل امیر و امام سے متعلق حدیثیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی، امام ہی وہ سپر ہے جس کے اوٹ میں جہاد کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے، پھر اگر امیر تقوی اللہ اور عدل کے ساتھ حکم دے تو اس کیلئے اس کا اجر ہے اور اس کے برعکس کرے تو اس کا بار بھی اسی پر ہے۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ)

ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم پر کان اور ناک کٹا ہوا غلام بھی امیر مقرر کر دیا جائے جو کتاب اللہ کے احکام کے مطابق تمہاری قیادت کرتا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (مسلم۔ مشکوٰۃ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سلطان (امامِ عادل) زمین میں خدا کا سایہ ہے۔ خدا کے ستم رسیدہ بندے اسکی پناہ میں آتے ہیں۔ پس اگر وہ عدل کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے، اور رعیت پر لازم ہے کہ شکر کرے

ہے۔ اور اگر وہ جور کرتا ہے تو اس کا گناہ اس پر ہے اور رعیت پر صبر کرنا لازم ہے۔ (مشکوٰۃ)

صلوا خمسکم وصوموا شہرکم وادوا زکوٰۃ اموالکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنۃ ربکم (منصب امامت از شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی)

پانچ وقت کی نمازیں پڑھو، ماہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اپنے امیر کی اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

یہ اور اس طرح کی جتنی حدیثیں ہیں وہ حقیقی اور عادل امام اور خلیفہ سے متعلق ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کی حدیثیں ــــ

یکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدای ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوب الشیطن فی جثمان انس قال حذیفۃ قلت کیف اصنع یا رسول اللہ ان ادرکت ذلک قال تسمع وتطیع الامیر فان ضرب ظھرک واخذ مالک فاسمع واطع (ترجمان القرآن جلد ۲۳ نمبر ۱ د ۲)

میرے بعد ایسے ائمہ ہوں گے جو نہ میری ہدایت پر چلیں گے اور نہ میری سنت کی پیروی کریں گے اور ان میں ایسے لوگ بھی اٹھیں گے جن کے دل انسانی قالب میں شیطانوں کے دل ہوں گے حضرت حذیفہؓ نے پوچھا، اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا (اس کے سوا چارہ نہیں کہ) امام کی سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے برسائے جائیں اور تمہارا مال بھی چھین لیا جائے تم پھر بھی سنو اور اطاعت کرو،

حضرت مالک بن عوف اشجعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے بہترین امام وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان پر رحمت بھیجو اور وہ تم پر رحمت بھیجیں اور تمہارے بدترین ائمہ وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ اور تم ان پر لعنت بھیجو، اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ مالک بن عوفؓ کہتے ہیں کہ ہم صحابہؓ نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول! کیا اس حالت میں ہم ان کو چھوڑ نہ دیں؟ فرمایا نہیں

تاوقتیکہ وہ تم میں نماز قائم رکھیں، (مکرر فرمایا) نہیں تاوقتیکہ وہ تم میں نماز قائم رکھیں۔ خبردار جو کسی پر والی مقرر کیا گیا وہ والی ہے۔ پس کوئی شخص والی سے کوئی ایسی بات ظہور میں آتے ہوئے دیکھے جو خدا کی معصیت ہو تو جو معصیت ایسی ظاہر ہو تو اس سے کراہت کرے اور اس کی اطاعت سے دست کش نہ ہو۔ (مسلم مشکوٰۃ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تشریح کی ہے کہ جس نے امیر کے فعلِ منکر کا اس کے روبرو زبان سے رد کردیا کہ یہ فعل منکر ہے وہ مداہنت اور نفاق سے بری ہوگیا، اور جس نے اسے دل سے مکروہ جانا وہ بھی اس فعل کے وبال سے سلامت رہا اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے لیکن جس نے نہ اس منکر کو زبان سے رد کیا اور نہ دل سے اسے مکروہ جانا بلکہ اس سے راضی رہا۔ وہ بھی گویا اس فعل میں اس کا شریک ہے، اور جس نے اسکا اتباع کیا اس کے متعلق تو کہنا ہی کیا ہے؟ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الامارت)

کیا امام حسین رضؓ کا خروج خطائے اجتہادی تھا؟

اب آئیے یہ دیکھیں کہ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج خطائے اجتہادی تھا؟ اور یہ کہ جن علماء نے آپکے اقدام خروج کو خطائے اجتہادی کہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت امامؓ کے اقدامِ خروج کے مسئلے پر غور کرنے سے پہلے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کیا ہے اور خدا نے وحی و رسالت کا سلسلہ کیوں جاری فرمایا؟ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا کیا مقصد تھا اور آپ نے دنیا کو کون سا نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت دیا؟

ہمیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کی توضیح و تصریح کے مطابق انسان اس دنیا میں مطلق العنان پیدا نہیں کیا گیا ہے وہ خدا کا خلیفہ اور نائب ہے، اور اس کا مقصدِ تخلیق اور فرضِ حیات یہ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کے احکام و اوامر کا پابند ہو کر رہے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ قرآن مجید کی رو سے خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب نہیں بلکہ اس کا باغی ہے۔

وحی و رسالت کا سلسلہ اسی نظریۂ خلافت کی بنیاد پر جاری ہوا، اسلام کے معنی ہی

اس نظامِ زندگی کے ہیں جو خدا کی بندگی اور اس کی کامل اطاعت و فرماں برداری پر مبنی ہو۔
حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مقصد کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی اپنی قوم کو اسی طریقہ زندگی کی دعوت اور تعلیم دیتے رہے، اسی مقصد کے ساتھ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، قرآن مجید کا نزول اسی غرض سے ہوا، حضورؐ نے بنی نوعِ انسان کو اسی کی دعوت و تعلیم دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مقدس زندگی اسی مقصد کی تکمیل کی جدوجہد میں گذری۔ حضورؐ کی دعوت و تعلیم سے جو جماعت پیدا ہوئی، اس نے بھی حضورؐ نے اسی راہ میں جدوجہد کرنے کا کام لیا، ابتدائے دعوت سے لے کر آخر تک حضورؐ کی اور حضورؐ کے صحابہؓ کی زندگی اسی مقصد کیلئے وقف رہی، اور اس راہ میں وہ تمام قربانیاں کی گئیں جو کسی مقصد کیلئے کی جاسکتی تھیں، یہاں تک کہ وہ دستورِ حیات اور وہ نظامِ زندگی زمین پر قائم اور برپا ہوگیا جو خدا کی طرف سے خدا کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، خلافتِ راشدہ اسی نظامِ حکومت کا عملی اور معیاری نمونہ تھی، اسی لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃؐ کے مقدس نام سے سرفراز فرمایا اب اس کے بعد دنیائے اسلام میں کتنے ہی انقلابات و حوادث رونما ہوں لیکن امتِ مسلمہ کیلئے نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت کا معیار اور نمونہ خلافتِ راشدہ ہی رہے گی، اس کے علاوہ جو چیز بھی ہوگی اس کے وجوہ و اسباب خواہ کچھ بھی ہوں لیکن وہ خدا کی پسندیدہ نہ ہوگی اور نہ امتِ مسلمہ کیلئے موجبِ فلاح و سعادت ہوگی، وہ اس لائق نہ ہوگی کہ برضا و رغبت اسے گوارا کیا جائے، وہ بدرجہ مجبوری ہی انگیز کرنے کی چیز ہوسکتی ہے وہ اس لائق نہ ہوگی کہ قابو چلتے ہوئے اسے قائم اور برقرار رکھا جائے۔ اور خلافتِ راشدہ کے نمونے سے اسے بدلنے کی کوشش نہ کی جائے، جن حدیثوں میں خلافتِ راشدہ کے اختتام اور غیر صالح و فاسد حکومتوں کے قیام کی خبر دی گئی ہے وہ اسلام کے اصول و نظریہ پر اثر انداز نہ ہونگی اور نہ امتِ مسلمہ کے اس فریضہ پر کہ اس کا مقصدِ زندگی اسی صالح نظامِ زندگی کا قیام ہے، جس کا دراصل

اسلام حائل ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "منصبِ امامت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اب آئیے۔ ہم اس مسئلے پر اس طرح غور کریں کہ امتناعِ انکارِ اطاعت اور مخالفت خروج کی حدیثیں ہمارے سامنے ہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ ایک ظالم و جابر اور مفسد اقتدار ہم پر مسلط ہو گیا ہے، اس نے اسلام کے نظامِ حکومت کے بڑے بڑے آثار و علائم مٹا دیئے ہیں، جبر و استبداد، ظلم و عدوان اور فسق و فجور کا دور دورہ ہے، لیکن نماز قائم ہے تو ہم کیا کریں؟ ہمیشہ کیلئے اسی اقتدار کی اطاعت کیلئے وقف ہو جائیں؟ اگر کچھ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اتنا کہ ہم میں کوئی صاحبِ عزم و حوصلہ ہو تو وہ جان پر کھیل کر اس ظالم اقتدار کے سامنے کھڑا ہو اور کسی مسئلے پر کلمۂ حق بلند کر کے اس کے مظالم کا تختۂ مشق بن جائے؟ کیا اس طرح کسی بھی ظالم و فاسد اقتدار کا صالح اور عادل بن جانا ممکن ہے؟ ہمیں تو کسی ایسے فاسد و ظالم نظامِ حکومت کا علم نہیں جو صرف کلمۂ حق کہہ دینے یا وعظ و پند کے ذریعہ صالح و عادل نظامِ حکومت سے بدل گیا ہو۔ مسلمانوں کے کتنے اقتدار وجود میں آئے اور مٹ گئے ایک فاسد اقتدار ہٹا تو دوسرا فاسد ہی اقتدار اس کی جگہ قائم ہوا، خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ کا اقتدار قائم ہوا، اسکی جگہ عباسی حکومت نے لی، اس کے بعد کتنے ہی دوسرے اقتدار قائم اور برپا ہوئے لیکن ان سب میں کوئی خاص فرق نہ تھا، اس انقلاب و تغیر میں وہ سب کچھ ہوا جو ایک فاسد اور ظالم اقتدار کو ہٹا کر اسکی جگہ صالح و عادل اقتدار قائم کرنے میں ہو سکتا تھا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوا، لیکن اس مقصد کے پیشِ نظر کوئی انقلابی جد و جہد نہ ہوئی، اس لئے جو اقتدار بھی قائم ہوا وہ ظالم و فاسد ہی قائم ہوا خواہ کچھ زیادہ یا کم، لیکن ان میں خلافتِ راشدہ کا نمونہ کوئی نہ تھا، تو کیا حدیثوں کا یہ مطلب ہے کہ امتِ مسلمہ اس پر مامور ہے کہ وہ ہمیشہ خاموشی کے ساتھ فاسد و ظالم اقتداروں کی اطاعت کرتی رہے، صالح و عادل اقتدار کو برسرِ کار لانے کا تصور بھی

سے گریز کیا، اسی لئے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔"

آپ نے غور فرمایا مولانا عامر عثمانی اور محمود احمد صاحب عباسی کے اس دعوے کا حاصل کیا نکلا؟ کم و بیش تیرہ سو برس سے امت مسلمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ ہی نہیں خلیفۂ راشد مانتی آرہی ہے وہ سراسر غلط ہے حق و صحیح یہ ہے جو چودہویں صدی کے ان دونوں محققین کی تحقیق ہے۔

اجماع و اتفاق امت کی موجودگی میں ان دونوں عجوبۂ روزگار محققین کی بحث و تحقیق تو اس لائق ہے کہ انھیں اکران کے منہ پر ماردی جائے مگر مختصراً علماء و اکابر امت کی رائے بھی پیش کردی جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ مولانا عثمانی اور جناب عباسی دونوں نے اپنے دعوے اور بیان کے ثبوت میں امام ابن تیمیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائیں پیش کی ہیں، اسی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ان دونوں بزرگوں کی رائیں پیش کرنے میں ان دونوں محققین نے کیسی مغالطہ دہی سے کام لیا ہے۔

اکابر امت کی رائیں اور مولانا عثمانی اور عباسی صاحب کی خیانتیں

مولانا عامر عثمانی اور محمود صاحب عباسی دونوں نے اس دعوے کے ثبوت میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح طریقے پر منعقد نہیں ہوئی وہ صرف سبائیوں کے استیلاء کا نتیجہ تھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام ابن تیمیہ رح کی رائیوں کے ایسے حصے نقل کردئے جو ان کے اثبات مدعا کے مطابق تھے۔ اور جس حصۂ بحث کو خلاف مدعا پایا اس پر پردہ ڈال دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے کیا رائے رکھتے ہیں وہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے مقصد اول کی فصل

دل میں نہ لائے، اگر ایسا نہیں تو حدیثوں کا مقصد و مدعا کیا ہے؟

خلافتِ راشدہ و حکومتِ صالحہ کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ تو اس لئے کہ اس کی اطاعت ہی امتِ مسلمہ کی خیر و فلاح کی ضامن ہے، لیکن فاسد و ظالم اقتدار کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ خیر و فلاح کے حصول کیلئے نہیں بلکہ اس کے فتنہ و شر اور ظلم و فساد سے بچنے کیلئے، نیز اس لئے کہ نظمِ مملکت میں اختلال واقع ہونے سے اسلام کو مزید نقصان نہ پہونچے، تو یہ اقتدار بدرجۂ مجبوری انگیز کرنے کی چیز ہوا نہ کہ برضا و خوشی اطاعت کرنے کا، اور نہ اسلام نے ایسے نظام کی تائید و تحسین کی ہے

جب دونوں طرح کی حدیثوں کا مقصد و مدعا کھل کر ہمارے سامنے آگیا تو ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدامِ خروج کو خطائے اجتہادی کیوں مانیں؟ یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ الکارِ اطاعت و خروج کی حدیثوں سے حضرتِ امامؓ بے خبر تھے، پھر خود عباسی صاحب نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ مانعینِ اقدام میں سے بعض حضرات نے ان حدیثوں کے پیشِ نظر حضرت امامؓ کو اقدامِ خروج سے منع کیا، پھر بھی حضرت امامؓ اقدام سے باز نہ آئے، تو کیا انھوں نے دانستہ حدیثوں کی خلاف ورزی کی؟ میرا خیال ہے عباسی صاحب کے سوا حضرت امام عالی مقامؓ کے متعلق کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا، حضرت امامؓ سے زیادہ کتاب و سنت کی پابندی کا دعویٰ کون کرسکتا ہے؟

جن علماء و اکابر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو خطائے اجتہادی قرار دیا ہے صرف آپ کے اقدام کے نتیجہ کی بنا پر اسے خطائے اجتہادی کہتے ہیں، اور یہ بنا محلِ نظر ہے، ہر انسانی اقدام کا نتیجہ پردۂ غیب میں مستور ہوتا ہے، خاصانِ خدا اور علمبردارانِ حق نے ہمیشہ ظلم و فساد کے خلاف اقدام کئے ہیں۔ اور وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں اور ناکامیاب بھی، وہ ادائے فرض کے جذبے سے اٹھے، اور نتیجہ خدا کے حوالے کر کے ادائے فرض کیلئے جانیں لڑا دیں، خدا کے مبعوث کردہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام تک حق کی راہ میں قتل بھی ہوئے اور سولی پر بھی چڑھائے گئے، اور ان کے پیروں کے جسموں سے لوہے کی کنگھیوں سے گوشت کھینچ لئے گئے، بغیر نتائج کے اعتبار سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام ہی کو خطائے اجتہادی کیوں مانا جائے؟ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید رح کی تحریکِ جہاد ابھی کل کی بات ہے، یہ صحیح ہے کہ وہ غیر مسلم اقتدار کے خلاف اٹھے تھے، لیکن جانی و مالی تباہیوں کے اعتبار سے دونوں اقداموں میں کیا فرق تھا؟ لیکن کیا یہ قربانیاں رائگاں گئیں؟ نتیجے کی ایک مادی ہی صورت نہیں ہے، اخلاقی اور روحانی صورت بھی ہے، ان شہدائے حق کی قربانیاں آج بھی مسلمانوں میں شہادتِ حق کا ولولہ پیدا کر رہی ہیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادتِ حق کا وہ آتش کدہ روشن کر دیا ہے جو قیامت تک امتِ مسلمہ کے سینے کو گرم رکھے گا، اسلام کا سرمایۂ حیات یزیدیت نہیں شبیریت ہے ؎

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خواست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم

بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہا کارید و رفت

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

(اقبال رح)

حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے بارے میں جو بات ہم نے کہی ہے

وہی علامہ ابنِ خلدون نے اپنے انداز میں کہی ہے، فرماتے ہیں: "حضرت امامؓ سے معاملہ فہمی میں کچھ غلطی ہوئی لیکن چونکہ یہ غلطی امورِ دنیاوی میں تھی اس لئے یہ آپ کی عظمتِ شان پر اثر انداز نہ ہو سکی، رہا شرعی حکم تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی۔"

(ترجمہ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۶۷)

ایک بار ایک مستفسر نے حضرت مولٰنا اسمٰعیل تمنائی کی کتاب "منصب امامت" کے مختلف مباحث کو لے علامہ ابوالاعلیٰ مودودی سے ایک طویل استفسار کیا تھا، اسی میں ایک شق یہ تھی۔

"یزید کی حکومت کے خلاف حضرت امام حسینؓ و حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو کوششیں کی تھیں کیا وہ ناجائز تھیں؟ کیا حضرت حسینؓ اس چیز میں مخطی تھے؟..... اگر سلطنتِ جابرہ کے خلاف کوشش کرنا ضروری ہے تو دیگر صحابہؓ نے حضرت امام حسینؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ بلکہ ان میں تو بعض اموی خلافت تک حیات رہے، انھوں نے کیوں کوئی جدوجہد نہ فرمائی؟"

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ مودودی لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کی بگڑی حکومت کے معاملے میں احتیاط ضروری ہے تاکہ ایک خرابی کے مٹانے کی کوشش میں کوئی اس سے بڑی خرابی رونما نہ ہو جائے۔ اب رہا یہ امر کہ نصیحت اور تبلیغ و تلقین کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی جائے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ یہ امر کہ بگڑے ہوئے نظام کو بزور درست کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اختلاف رونما ہوا ہے، میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں جو شخص یہ محسوس کرے کہ وہ اس بگڑے ہوئے نظام کو بدل دینے کیلئے کافی قوت رکھتا ہے اور جس کی نیت اپنے لئے حکومت حاصل کرنا نہ ہو بلکہ شریعتِ الٰہی کی حکومت قائم کرنا ہو اس کیلئے اٹھنا اور جدوجہد کرنا فرض ہے۔ نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اصلاحِ حال کی قدرت نہیں رکھتا

اور ظالم حکومت کے مقابلے میں خروج کا نتیجہ فساد کے سوا اور کچھ نہ ہوگا، اس کیلئے خروج جائز نہیں ۔ اس کی دلیل میں علامہ مودودی نے یہ حدیث نقل کی ہے ۔

ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون ما لا یفعلون و یفعلون ما لا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فہو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فہو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فہو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل ۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۳ نمبر ۱-۲)

مجھ سے قبل جس نبی کو بھی خدا نے اس کی امت میں مبعوث کیا اس کا یہ حال رہا کہ ابتداءً اس کی امت میں ایسے حواری اور اصحاب ہوئے جو اس کی سنت پہ چلے اور اس کے احکام کی پیروی کی ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو کچھ کہتے تھے اس کے مطابق عمل نہ کرتے تھے، اور کرتے وہ جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا، تو ایسے لوگوں سے جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے، وہ بھی مومن ہے (یعنی ان سے بیزار اور ان کے زوال کا آرزومند ہو) اور جو اس درجے سے بھی گیا گذرا ہو اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے ۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کس حالت میں خروج کا فیصلہ کیا اس کی نسبت خروج کا فیصلہ کیا اس کی نسبت علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ۔

"اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یزید کا فسق و فجور تمام اہل زمانہ کے سامنے آشکارا ہو گیا تو طرفداران اہل بیت نے کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو بلوایا ۔ اور کہا کہ آپ تشریف لائیں ہم آپ کی پشت پناہی کیلئے تیار ہیں ۔ حضرت امامؓ نے سوچا کہ یزید کی بدکرداری کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی خصوصاً جب کہ اس پہ قدرت بھی ہو تو پھر تاخیر

کیوں کی جائے؟ اور آپ نے اپنے میں اس کی اہلیت بھی پائی اور شوکت بھی، اہلیت تو بہر حال آپ میں آپ کے خیال سے بھی زیادہ تھی، لیکن شوکت کے اندازہ میں آپ صحیح نقطۂ نظر پر نہ پہونچ سکے۔"

اس سلسلۂ بحث میں علامہ نے مزید لکھا ہے،

"حضرت امام حسین رضؓ سے معاملہ فہمی میں کچھ غلطی ہوئی لیکن چونکہ یہ غلطی امر دنیوی میں تھی اس لئے یہ آپ کی عظمتِ شان پر اثر انداز نہ ہو سکی، رہا حکمِ شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی، کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا، اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے"

اوپر ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اجتہاد میں کوئی غلطی نہیں ہوئی، اپنے لفظوں میں علامہ ابن خلدون بھی وہی بات کہہ رہے ہیں، نہ آپ نے حدیثوں کی خلاف ورزی کی نہ حکمِ شرع کے سمجھنے میں آپ سے کوئی غلطی ہوئی، ہوا صرف یہ کہ جس حالت کے پیشِ نظر آپ نے خروج کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کوفہ کے نئے والی ابن زیاد کے بے پناہ تشدد سے اچانک بدل گئی، اور اسے حضرت امام کے اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں، اس کی مزید تفصیل عباسی صاحب کے ایک اور مبحث کے سلسلے میں آگے آئے گی،

برادرانِ حضرتِ امامؓ اور صحابہ رضؓ

عباسی صاحب نے ان دونوں عنوانوں سے جو خامہ فرسائی کی ہے اس کے متعلق اصولی جواب ہم اوپر دے چکے ہیں۔ یہاں علامہ ابن خلدون کی رائے پیش کر رہے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں۔۔۔

"حضرت امام حسین رضؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام و عراق میں رہتے تھے اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب سمجھتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ اور خونریزی کا خطرہ تھا۔ اسی لئے وہ اس سے بچتے رہے اور حضرت امام رضؓ کا ساتھ نہ دیا۔ مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا ٹھہراتے یا گنہگار قرار دیتے، کیونکہ آخر آپ

لے دوسرے متعدد علمائے کرام اور حضرت مولانا محمد قاسم نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسین رضؓ کے اجتہاد کے مطابق ان کے لئے خروج نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ (دیکھئے "تجلی کی ڈاک"۔ ماہنامہ تجلی دیوبند جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

بھی تو مجتہد تھے"۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون جلد ۲ ۱۲۱)

علامہ ابن خلدون کے بیان سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی کے نزدیک بھی یزید اسی لائق تھا کہ اس کے خلاف خروج کیا جاتا۔ مگر وہ محض بخیالِ مصالح اس سے باز رہے۔

عباسی صاحب نے آئندہ بھی مختلف مباحث کے سلسلے میں صحابہ کرام رض اور برادرانِ امام کی دہائی دی ہے۔ لہٰذا اس بحث میں آن کے متعلق جو کچھ ملاحظہ فرما چکے ہیں اسے پیشِ نظر رکھیئے، اور مندرجہ ذیل اقتباس کو ان کے ہر پروپیگنڈے کا جواب سمجھیئے۔

علامہ ابن خلدون حضرت امام حسین رضی کی شہادت کے مسئلے پر لکھتے ہیں ۔۔۔

"یہ نہ سمجھا جائے کہ جس طرح صحابہ رضی نے اجتہادی اختلاف کے باعث حضرت امام رض کا ساتھ چھوڑا اسی طرح امام صاحب کی شہادت بھی انھیں صحابہ کرام رض کے اجتہاد ہی سے ہوئی ہوگی، خدا کی پناہ! ۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی ذمہ داری تو صرف یزید اور اس کے ساتھیوں کے کندھے پر ہے۔ پھر یہ بھی نہ کہیئے کہ جب صحابہ کرام رض نے یزید کے فاسق ہونے پر بھی اس پر خروج کو جائز قرار نہیں دیا تو یزید کے افعال بھی ان کے نزدیک نافذ ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں ۔ فاسق کے وہی اعمال و افعال صحیح و قابلِ نفاذ ہوتے ہیں جو شریعت کے دائرے میں ہوں۔ یہاں قتال کی کوئی صورت صحابہ رض کے نزدیک متصور نہ تھی کہ وہ اس کو جائز رکھتے کیونکہ باغیوں سے قتال کیلئے ان کے نزدیک امام عادل کی امامت لازم ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لئے کہ یزید امام عادل نہیں کہ اس کی امامت کے ماتحت لڑائی لڑی جائے ۔۔۔۔ یزید کی جنگ امام حسین رض کے ساتھ نہ صرف ناجائز تھی بلکہ یزید نے جو کچھ نازیبا حرکت کی وہ اس کے فسق و فجور کو بڑھاتی اور پختہ کرتی ہے اور اسکی بد اعمالیوں پر مہر لگاتی ہے۔ حضرت امام شہید رض اجر اور ثواب کے مستحق ہیں اور اپنے اجتہاد یہ ہونے کے باعث حق بجانب ۔ .... حضرت امام رض کے زمانہ میں آپ سے زیادہ کون امامت و عدالت کی رو سے حقدار ہو سکتا تھا؟ پھر محض ایک فاسق و فاجر کی رائے سے کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ آپ شریعتِ محمدی پر قتل کئے گئے؟ (۲۱۶)

حضرت امامؓ کا محتاط اور امن پسندانہ طرزِ عمل

اوپر کی بحث کا تعلق اس مسئلے سے تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مجددانہ انقلابی اقدام صحیح اور حق تھا یا اس کے برعکس۔ اب اسی بحث کے تتمہ کے طور پر دو باتیں اور جان لینی چاہئیں۔

(۱) حضرت امام حسینؓ نے ایسا نہیں کیا کہ یکایک خروج کا فیصلہ کیا اور قدم اٹھا دیا، آپ خاموشی اور صبر کے ساتھ حالات کا انتظار کرتے رہے، اور ایسے حالات میں قدم اٹھایا جو بظاہر بالکل سازگار تھے، اور انسان کسی اقدام و عمل کا فیصلہ ظاہر ہی کے مطابق کرتا ہے، باطن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا،

(۲) حضرت امامؓ نے جو اقدام کیا اس کو جنگ و جدل اور حرب و ضرب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ آپ کے اقدام میں کوئی ایسا پہلو تھا جسے نظم مملکت میں انتشال اور بدنظمی کا موجب قرار دیا جا سکے۔

اب آئیے، ان شقوں پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالیں ---

(۱) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی حکومت کے خلاف کوئی اسکیم نہیں بنائی تھی، نہ وہ کوئی تحریک چلا رہے تھے، اپنے مقدس نانا کے جوار مدینۃ النبیؐ میں خاموشی اور سکون کی زندگی گزار رہے تھے، یزید کا فاسق و فاجر اور بدکار اور بدکردار ہونا عام ہو چکا تھا، اسی حالت میں کوفہ کے رؤسا اور اکابر کے خطوط آنا شروع ہوئے کہ وہ یزید کے جیسے فاسق و فاجر اور بدکردار کو امام اور خلیفہ ماننے کو تیار نہیں ہیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ آئیے اور ہم سے بیعت لیجئے۔ ایسے خطوط ایک، دو یا دس پانچ نہیں آئے۔ اتنے خطوط آئے کہ ان کا ایک انبار جمع ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل عراق مفسد اور غدار تھے، حضرت امامؓ کے اعزہ اور دیگر حضرات نے آپ کو سمجھایا کہ عراقی لائق اعتماد نہیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بر ملا

کوفہ رہ چکے تھے، آپ اہلِ کوفہ کے مزاج واخلاق اور طرزِ عمل سے براہِ راست ذاتی واقفیت رکھتے تھے، اچھے اور برے ہر جگہ ہوتے ہیں، کوفہ میں بھی ایک ہی طرح کے لوگ نہ تھے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جیسے مخلص اور جاں نثار بھی تھے،

حضرت امامؓ بھی بغیر غور وفکر کئے کوفہ جانے کیلئے تیار نہیں ہو گئے نتائج وعواقب پر بار بار غور کیا۔ عباسی صاحب ہی نے "البدایہ والنہایہ" کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ مرۃ یرید ان یسیر الیہم ومرۃ یجمع الاقامۃ (ص۱۶۰) یعنی حضرت امامؓ کبھی تو یہ ارادہ فرماتے کہ اہلِ کوفہ کے پاس چلے جائیں اور کبھی یہ سوچتے کہ ان سے دور اپنی ہی جگہ ٹھہرے رہیں۔ اس تذبذب کے بجائے یکسوئی حاصل کرنے کیلئے آپ نے انتہائی صحیح اور دوراندیشانہ صورت اختیار کی، اپنے معتمد اور چچیرے بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے صورتِ حال کا جائزہ لینے کیلئے کوفہ بھیجا، اور ان کو ہدایت کردی کہ وہ اہلِ کوفہ کو اپنے قول وقرار اور طرزِ عمل میں صادق پائیں تو خط کے ذریعہ اطلاع دیں ورنہ فوراً واپس چلے آئیں۔

یہ بات بھی خود عباسی صاحب نے لکھی ہے، (ص۱۶۰) اب آپ غور کیجئے ایک محتاط اور دوراندیش آدمی اس کے سوا اور کیا طریقہ اختیار کرسکتا ہے؟

حضرت مسلمؓ کوفہ پہنچے، وہاں کے رؤساء واکابر اور عوام سب نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا، ہزاروں آدمی حضرت امامؓ کی بیعت میں داخل ہوگئے، اور سب نے قسم کھا کھا کر حضرت امام کی نصرت واعانت کا اقرار کیا، اس کے متعلق بھی عباسی صاحب نے "البدایہ والنہایہ" کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسہم واموالہم (ص۱۶۰) یعنی اہلِ کوفہ نے حضرت امامؓ کی امامت کی بیعت کی اور قسم کھا کر اقرار کیا کہ وہ اپنی جان ومال سے حضرت امامؓ کی نصرت واعانت کریں گے۔

حضرت مسلمؓ نے اہلِ کوفہ کا یہ جوش وخروش اور جذبۂ اخلاص ونصرت دیکھا تو حضرت

امام حسینؓ کو ایک وثوق آمیز خط لکھا کہ اٹھارہ ہزار آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، آپ میرا مکتوب دیکھتے ہی کوفہ کیلئے روانہ ہو جائیں، تمام لوگ آپکے حق میں ہیں، یہاں نہ کوئی یزید کو پسند کرتا ہے اور نہ اس سے واسطہ رکھنا چاہتا ہے۔ عباسی صاحب نے متن کے ساتھ اس خط کو نقل کیا ہے،

اُدھر حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اِدھر کوفہ کی حالت نے پلٹا کھایا۔ حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے تو حضرت علیؓ کے وقت سے حضرت معاویہؓ کی پارٹی میں لیکن بہر حال وہ ایک صحابی تھے ان کی پالیسی معتدل تھی، حامیانِ حکومت نے جن میں عمرو بن سعد بھی تھا یزید کو لکھا کہ یہاں کسی سخت گیر والی کو بھیجا جائے، یزید کا چچیرا بھائی عبیداللہ بن زیاد بصرہ کا والی تھا جو بڑا ہی تشدد پسند اور سخت گیر تھا، یزید نے کوفہ کو بھی اسکے چارج میں دے دیا، یہ اسی باپ کا بیٹا تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت کیش تیس اہلِ کوفہ کو مسجد میں بند کر کے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے تھے، اور جس کی تحریک پر حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے رفقاء کو حضرت معاویہؓ نے قتل کرا دیا تھا۔

ابن زیاد نے بصرہ سے کوفہ آتے ہی حضرت ہانی کو جن کے یہاں حضرت مسلم بن عقیلؓ مقیم تھے گرفتار کرالیا، یہ حضرت مسلمؓ کیلئے بڑے امتحان کا وقت تھا، ان کا ایک حامی اور پیرو گرفتار کرلیا جائے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں، یہ بات سیاست و اخلاق دونوں کے منافی تھی، کیونکہ حضرت ہانیؓ کے بعد خود حضرت مسلمؓ کی گرفتاری کی باری تھی، اس لئے حضرت مسلمؓ کیلئے آزمائش کی آگ میں کود دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ آپ اٹھے، آپکے ہزاروں پیروں نے آپ کا ساتھ دیا، آپ ان کو لے کر ایوانِ حکومت کے سامنے پہنچ گئے، آپ کا مطالبہ صرف ہانیؓ کی رہائی کا تھا، اگر ابن زیاد ان کو رہا کر دیتا تو کوئی ناگوار صورت رونما نہ ہوتی، رفتہ رفتہ سکون ہو جاتا، حالات کو سازگار ہی دیکھ کر حضرت مسلمؓ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کا خط لکھا تھا، حالات کے بدل جانے پر آپ کوفہ سے حجاز واپس چلے جاتے لیکن یزید کا

حکومت تو پہلے ہی سے حضرت امام حسین رضی کے خلاف کارروائی کرنے پر تلی ہوئی تھی، اور آپ کو یزید کی بیعت پر مجبور کر رہی تھی، ابن زیاد حضرت مسلم بن عقیل رضی کے ساتھ کوئی نرمی اور رعایت کیا برتتا؟ درباری رؤسا، اور امراء ہمیشہ تجدید و انقلاب کی راہ کے سنگِ گراں ہوتے ہیں ایک طرف ابن زیاد نے کوفہ کے درباری اعیان و اکابر پر دباؤ ڈالا کہ وہ عوام کو سمجھا بجھا کر حضرت مسلم رضی سے الگ کریں، دوسری طرف اس نے خود ہجوم کو مخاطب کر کے آتش بار تقریر کی، عورتیں بھی چیخ پکار کرتی اپنے مردوں کو واپس لانے کیلئے ہجوم میں پہونچ گئیں، ان حالات نے مل ملا کر عوام کے حوصلے پست کر دئے اور حضرت مسلم رضی نے ذلت کے ساتھ گرفتار ہونے کی بجائے مردانہ وار لڑ کر جان دیدی،

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو پرامن قدم اٹھایا تھا، وہ ابنِ زیاد کی سخت گیری سے دفعتاً قتل و غارت کی صورت میں تبدیل ہوگیا،

حضرت مسلم رضی کے مکتوب کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کوفہ کیلئے روانہ ہو چکے تھے، عباسی صاحب نے اس سلسلے میں دن تاریخ، منازلِ سفر، حضرت امام رضی کے کوفہ پہونچنے کے دن اور تاریخ کی عجیب عجیب دور از کار بحثیں چھیڑی ہیں، اور ان مباحث میں کتاب کے کتنے ہی صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اس سلسلے پر عباسی صاحب نے جو دماغ سوزی اور خامہ فرسائی کی ہے وہ کتنی بے حقیقت ہے اس کی حقیقت حیات اللہ صاحب انصاری اڈیٹر قومی آواز لکھنؤ نے بخوبی واضح کر دی ہے، (ملاحظہ ہو "قومی آواز" ۲۱ نومبر ۵۹ء)

انھیں مباحث میں حضرت امام رضی کے خلاف عباسی صاحب نے یہ پروپیگنڈا بھی کیا ہے کہ آپ نے عین تاریخ حج میں حج کئے بغیر مکہ چھوڑ دیا، عباسی صاحب کو اتنی خبر نہیں کہ حضرت امام رضی تو مجتہد تھے اتنی بات تو ایک معمولی مسلمان بھی جانتا ہے کہ حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اور حضرت امام رضی کتنے حج کر چکے تھے ان پر حج کچھ فرض نہ تھا جسے آپ نے ترک کر دیا،

راستہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ حکومت کے تشدد سے

اول میں خلافتِ عامہ کے انعقاد کے چار طریقے بیان فرمائے ہیں۔ اسی بحث میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اہلِ علم تکلم کردہ اند در آنکہ خلافت حضرت علی مرتضیٰ بکدام طریق از طرق مذکورہ واقع شد مقتضائے کلام اکثر آنست کہ بہ بیعتِ مہاجرین و انصار کہ در مدینہ حاضر بودند خلیفہ شدند و اکثر نامہائے حضرت مرتضیٰ کہ باہل شام نوشتہ اند شاہد ایں معنی ست۔ (ص ۱۶)

اہلِ علم نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت چار طریقوں میں سے کس طریقے پر واقع ہوئی علماء کی اکثریت کی بحث کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی ان مہاجرین و انصار کے بیعت کر لینے سے خلیفہ ہوئے جو مدینہ میں موجود تھے اور حضرت مرتضیٰ کے وہ اکثر خطوط جو آپ نے اہلِ شام کو لکھے اس پر شاہد ہیں۔

دیکھیے ازالۃ الخفاء کے اس اقتباس میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا ہے جس میں یہ اشارہ بھی موجود ہو کہ حضرت علیؓ کی خلافت سبائیوں کے جبر و استیلاء کا نتیجہ تھی، اس لئے شاہ صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی؟ وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ آپ کی خلافت مدینہ منورہ کے مہاجرین و انصار کے ذریعہ انعقاد پذیر ہوئی، انعقادِ خلافت کے ثبوت میں آپ کے خطوط کو بھی پیش کر رہے ہیں، جو آپ نے اہلِ شام کو لکھے تھے۔

مقصدِ اول کی فصلِ اول کے اختتام پر بطور حاصلِ بحث فرماتے ہیں:۔

چوں معنی خلافت و شروطِ خلیفہ و آنچہ متعلق ست بخلافت دانستہ شد وقت آں رسید کہ باصل مقصد عود کنیم اثبات خلافت خاصہ برائے خلفائے اربعہ اجلّے

جب خلافت کے معنی اور خلیفہ کی شرطیں اور خلافت کے متعلقات معلوم ہو چکے تو اب وقت آگیا کہ ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کریں خلفائے اربعہ کیلئے خلافتِ عامہ کا ثابت ہونا اجلے بدیہیات سے ہے،

کوفہ کا ماحول یکسر بدل گیا، اور حضرت مسلمؑ شہید ہو گئے، اس لئے آپ نے واپسی کا ارادہ کیا، لیکن راہ میں ایک ناقابلِ حل الجھن سامنے آکھڑی ہوئی، برادرانِ حضرت مسلمؓ واپسی کیلئے تیار نہ ہوئے انھوں نے کہا مسلمؓ کے مارے جانے کے بعد ہم زندہ رہنا نہیں چاہتے، حضرت امامؓ ان کو چھوڑ کر خود واپس ہو جاتے تو یہ بات معمولی انسانی اخلاق کے بھی منافی ہوتی چہ جائے کہ حضرت امامؓ اس کو گوارا کرتے، ناچار آپ کو آگے بڑھنا پڑا، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جہاں تک بیعتِ یزید کے مسئلے کا تعلق تھا ہر زمین حضرت امامؓ کیلئے کوفہ کا حکم رکھتی تھی آپ جہاں بھی جاتے آپ سے بیعت کا مطالبہ ہوتا، تاہم آپ نے کوفہ پہونچ کر اپنی پوری قوت اس بات پر صرف فرمادی کہ جنگ وجدل کی نوبت نہ آنے پائے اس لئے کہ آپ اس مقصد سے نکلے ہی تھے،

(۳) اب یہ دیکھئے کہ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام میں جنگ وپیکار اور نظم مملکت میں بدنظمی اور خلل پیدا کرنے والا کوئی پہلو پایا جاتا ہے؟ کوفہ اسلامی مملکت کا ایک اہم سیاسی مرکز تھا، اور وہاں کے باشندے یزید سے متنفر اور امامؓ کی بیعت کیلئے آمادہ تھے، اور بلاوے پر بلاوا بھیج رہے تھے، یہ صورت جنگ وجدل اور مملکت کے نظم ونسق میں کوئی خلل اور بدنظمی پیدا ہوئے بغیر ایک خطہ میں صالح امامت وخلافت قائم ہو جانے کی تھی، اس لئے حضرت امامؓ نے اس کے خلاف اقدام کیا، ایسی بات نہ تھی کہ آپ نے اس غرض سے کوئی فوجی تیاری کی ہو اور کوفہ پر حملہ کیا ہو، آپ نے جس حالت میں مکہ معظمہ سے کوچ کیا اس میں بھی عسکریت اور حملہ آوری کا مطلق کوئی شائبہ نہ تھا، اہلِ خاندان کے ساتھ جن میں خواتین اور گود کے بچے تک شامل تھے، کوفہ کیلئے مکہ سے نکلے تھے، عراقی بھی وہی تھے جو آپ کو کوفہ لے جانے کیلئے آپ کے پاس آئے تھے، ان پر بھی فوج کا اطلاق نہیں ہو سکتا،

حضرت امامؓ کے کوفہ پہونچنے سے پہلے ابن زیاد نے آگے بڑھ کر حضرت امامؓ کو محاصرہ میں لینے کیلئے حُر کی قیادت میں جو فوج بھیجی تھی اس کو مخاطب کرکے حضرت امامؓ نے جو خطبہ دیا تھا وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا۔

(141)

"لوگو! ـــ خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا یہ عذر ہے کہ میں خود اپنی خواہش سے یہاں نہیں آیا ہوں، میرے پاس تمہارے خطوط گئے، قاصد گئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے، اگر تم اب بھی اپنی حالت پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں، اگر تم مجھ سے ایسا عہد و پیمان کرو جو میرے لئے قابلِ اطمینان ہو تو میں تمہارے ساتھ تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں، اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میرے آنے سے ناخوش ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں گا۔"

(شہادتِ حسین رضؓ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ)

حضرت امام رضؓ کے اس خطبہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کا اقدام جارحیت و عسکریت اور خوں ریزی و بدنظمی سے یکسر پاک تھا،

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ جب سے یزید برسرِ حکومت ہوا تھا حضرت امام حسین رضؓ سے بیعت کیلئے برابر مصر تھا، اور اس کے عمال آپ کے درپے تھے، حضرت امام رضؓ کو ہر لمحہ خطرہ دامن گیر تھا کہ حکومت کی طرف سے کوئی سخت گیر کارروائی عمل میں نہ لائی جائے اور آپ کسی حالت میں بیعت کیلئے تیار نہ تھے، ظاہر ہے کتنی نازک صورتِ حال تھی! اگر یزیدی حکومت کا یہ رویہ نہ ہوتا تو اغلب ہے کہ حضرت امام رضؓ کی طرف سے اقدام کی کارروائی عمل میں نہ آتی کربلا کا مرحلہ بھی ٹل سکتا تھا، اور یزیدی حکومت کا دامن اہلِ بیتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس لہو سے آلودہ ہونے سے بچ جا سکتا تھا اگر ابنِ سعد اور ابنِ زیاد حضرت امام رضؓ کی بات مان لیتے اور بیعت لینے پر مصر نہ ہوتے۔

اجتہادی غلطی

شیعہ فرقہ حضرت علی رضؓ اور ائمہ اہلِ بیت کے متعلق کیا نظریات و عقائد رکھتا ہے؟ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے اور نہ یہاں اس کا کوئی ذکر ہے، مگر عباسی صاحب نے ازراہِ عناد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی دکھلانے کیلئے ایک شیعہ مورخ کے بیان کو بنیاد بنا کر خوب خوب زہر فشانی کی ہے، بیان یہ ہے۔

"حسین علیہ السلام کو مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا، قافلے کے مال کو ماخوذ کر لیا تھا، (منہ ۱۳ او ص ۱۳۱)

یہ بیان حضرت امام حسینؓ کا کوئی قول نہیں ایک شیعہ کا بیان ہے اور اس میں جس قافلہ کی طرف اشارہ ہے اس کا واقعہ بھی عباسی صاحب نے شیعی مورخ ہی کے حوالے سے لکھا ہے، اس بیان پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے آیہ کریمہ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الخ" کو نقل کر کے عباسی صاحب لکھتے ہیں ــ

"آپ نے (یعنی آنحضرتؐ نے) اپنے خاندان کو اسکی اجازت نہیں دی کہ آپ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔" (ص ۱۳۲)

یہ چوٹ ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر، عباسی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ یزید خلفائے راشدین کا جانشین اور امت مسلمہ کا امام برحق تھا، حضرت امام عالی مقامؓ میں کوئی ذاتی خوبی وخصوصیت نہ تھی، وہ محض قرابت نبویؐ کے تعلق سے امت پر مسلط ہونا چاہتے تھے، مزید لکھتے ہیں ــ

"آپ (آنحضورؐ) کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرور ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوشش میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جائے گا، اس لئے آپ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپ کے خاندان کا امت پر مسلط نہ ہونے پائے۔" (ص ۱۳۳)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کو تو اپنی انقلابی دعوت کی صرف پیروی کا پابند بنا گئے کہ وہ امت پر مسلط ہو کر اس انقلابی دعوت کو مسخ نہ کرنے پائیں لیکن بنی امیہ کو بذریعہ دستاویز اپنی انقلابی دعوت کا مالک ومختار کر گئے کہ وہ اسے مسخ ومتغیر کر کے قیصریت میں تبدیل کر دیں، اور امت پر مسلط ہو جائیں،

عباسی صاحب نے عہد رسالت کے عمال کی ایک فہرست پیش کر کے بھی دکھا دیا ہے

کہ اس میں خاندانِ رسالت کے کسی شخص کا نام نہیں ہے، اس فہرست سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضورؐ کے جانشینوں کیلئے ایک رہنمائی ہے کہ وہ بھی اقربا نوازی نہ کریں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ دونوں بزرگوں نے حضورؐ کی اس سنت کی پیروی کی لیکن بنی امیہ نے اس سنتِ نبوی پر کتنا ظلم کیا۔؟ امت کی خلافت کو خاندانی میراث بنا لیا، عباسی صاحب معلوم نہیں واقعی عباسی ہیں یا عباسی ان کا کوئی تخلص ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرا بازوں فاطمیوں اور عباسیوں نے اسی طرح جس طرح بنی امیہ نے خلافت راشدہ کو ڈھا کر اس پر اپنی سلطنت تعمیر کی تھی، اموی سلطنت کو منہدم کر کے بنی امیہ کی لاشوں کے انبار پر عباسی سلطنت کے قیام کا جشنِ سیمیں منایا تھا، ؎

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را ۔۔۔ چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

حضرت امامؓ پر موقف کی غلطی کے احساس کا اتہام

عباسی صاحب نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو غلط کار ثابت کرنے کیلئے ایک عنوان قائم کیا ہے "اپنے موقف کی غلطی کا احساس"۔ (ص ۱۵۱) حضرت امام عالی مقامؓ پر یہ ایک شرارت آمیز اتہام ہے اس ضمن میں عباسی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے ۔

(الف)۔ حضرت امامؓ کوفہ کے قریب پہنچے تو والی کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے حر تمیمی نے ایک ہزار سواروں کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت امامؓ کو روکا، (ب) حضرت امامؓ کو جب معلوم ہوا کہ اہلِ کوفہ آپ کی حمایت سے دست کش ہو چکے ہیں تو آپ کوفہ جانے کی بجائے واپسی پر آمادگی ظاہر کی (ج) حضرت امامؓ نے واپسی کے متعلق تین صورتیں پیش کیں۔ اول یہ کہ مدینہ واپس جانے دیا جائے۔ دوم یہ کہ بصورتِ دیگر کسی سرحدی مقام پر چلا جانے دیا جائے، جہاں آپ کفار سے جہاد کریں، سوم یہ کہ اگر یہ صورت منظور نہ ہو تو شام جانے دیا جائے کہ آپ یزید سے بیعت کر لیں، (ص ۱۵۱) عباسی صاحب نے آخری شرط انہیں طبری اور ایک دوسرے مورخ کے حوالے سے لکھی ہے جن کو شیعی اور وضاع کہنا عباسی صاحب کا تکیہ کلام ہے۔

عباسی صاحب کی نقل کردہ تیسری شرط کی یہ بات غلط ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شام جاکر یزید کی بیعت کر لینے پر آمادگی ظاہر فرمائی ۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں شام جاکر یزید سے اپنا معاملہ طے کروں، ہم اس کا مستند ثبوت[۱] پیش کریں گے، پہلے ہم یہ بتا دیں کہ صورتِ حال کے بدل جانے سے حضرت امامؓ کو اپنے طرزِ عمل میں جو تبدیلی کرنی پڑی اس کو حضرت امامؓ کا ان کے موقف کے متعلق غلطی کا احساس قرار دینا سراسر سفاہت اور حضرت امامؓ پر شرارت آمیز اتہام ہے ۔ حضرت امامؓ کے موقف کی بحث اوپر آچکی ہے، کوفہ میں حکومت کا قیام دراصل آپ کا موقف نہ تھا موقف تو آپ کا یہ نظریہ تھا کہ یزید ایک فاسق و فاجر اور بدکار حکمراں ہے، وہ اس لائق نہیں کہ برضا و رغبت اسکی اطاعت کی جائے۔ اس کے برعکس وہ ایسا ہے کہ اگر سازگار حالات میسر آجائیں تو اسکی حکومت کو ایک صالح دینی امارت وخلافت سے بدل دیا جائے۔ کوفہ میں ایسی خلافت وامارت کے قیام کا امکان پیدا ہوگیا تھا جو آپ کے موقف کو عملی صورت میں لانے کا ایک ذریعہ تھا، اب اگر غیر متوقع طور پر حالات بدل گئے، اور ان کی بنا پر آپ کو اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی کرنی پڑی تو اس کو موقف کی غلطی کے احساس کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ نتیجہ تو جب نکالا جا سکتا تھا جب، حضرت امامؓ اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر کے یزید کو فاسق و فاجر حکمراں کی بجائے ایک متقی و پرہیزگار اور صالح و عادل خلیفہ و امام تسلیم کر لیتے، لیکن یہ بات کسی نے نہیں لکھی ہے نہ خود عباسی صاحب کی کتاب میں یہ بات موجود ہے

اس ضمن میں عباسی صاحب نے ایک اور پہلو سے بھی بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت امامؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا، جب بھی یزید پر کوئی الزام نہیں آتا، جب حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے جنگ کی تو حضرت حسینؓ کے خلاف کیوں تلوار نہیں اٹھائی جا سکتی، جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نواسۂ رسولؐ اور فرزندِ علیؓ ہونے کی حیثیت سے انھیں خلیفہ بنایا جائے (ص ۱۷۹ و ص ۱۸۰)

۱؎ یہ ثبوت واقعۂ کربلا میں دیکھنا چاہیئے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ان کی خلافت کے مقابلے میں یزید اور اسکی حکومت کو لانا کتنی بڑی سفاہت ہے؟ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت خلافت راشدہ تھی، یزید فاسق وفاجر تھا اور اسکی حکومت حکومت فاسقہ تھی، حضرت علیؓ سے یزید کو کیا نسبت؟ جو خلیفہ راشد اور امام عادل اور امام فاسق وفاجر اور جائر کے فرق سے ناآشنائے محض ہو اور نور وظلمت کو ایک سمجھتا ہو اسکو اپنی بصیرت وبصارت پر ماتم کرنا چاہیئے۔ پھر جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں حضرت علیؓ کے مخالف مع حضرت عائشہؓ تمام بزرگوں نے اپنے موقف کی غلطی خود تسلیم کرلی تھی، اگر عباسی صاحب کا یہی مذہب ہے تو منافقت کی بجائے مردانہ وار حقیقت کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا اور اہل بیت رسالت کی تباہی وبربادی اور قتل وغارت پر پردہ ڈالنے کی بجائے کھل کر یزید، ابن سعد اور ابن زیاد کی تلواروں کے کارناموں کو پیش کرنا چاہیئے تھا، واقعات کربلا کو آخر انھوں نے بیان کیوں نہیں کیا ہے؟ پھر وہ دیکھتے کہ مسلمان ان کے متعلق اور ان کی کتاب کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہیں؟ ہمیں تو معلوم ہے کہ جنگ جمل کی بنا پر ایک عالم نے بھی حضرت علیؓ کے خلاف لب کشائی نہیں کی، اور یزید، ابن سعد اور ابن زیاد کو اکابر ملت شقی، بدبخت، ظالم، مردود اور لائق لعنت قرار دیتے ہیں، حضرت امام حسینؓ پر یہ شرارت آمیز اتہام ہے کہ ان کی دعوت محض یہ تھی کہ نواسہ رسولؐ اور فرزند علیؓ ہونے کی وجہ سے ان کو خلیفہ بنایا جائے، حضرت امامؓ اپنے ذاتی اوصاف ومحامد کی رو سے مستحق خلافت تھے، رہا حضرت امامؓ کے دعویٰ خلافت کا معاملہ تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور علامہ ابن خلدون کا اعتراف اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت امامؓ کے زمانے میں ذاتی اوصاف وکمالات کے اعتبار سے آپ سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہ تھا، اور ساتھ ہی یزید ناقابل برداشت حد تک فاسق وفاجر تھا اور یہی وجہ تھی جو آپ نے اہل کوفہ کی پکار پر لبیک کہی۔ ملاحظہ ہو حضرت امامؓ کا وہ خطبہ

جو آپ نے حُر اور ان کی فوج کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے۔ خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہدِ الٰہی شکست کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اسکی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانہ نہ بخشے گا، دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو ہو گئے ہیں۔ رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے۔ حدودِ الٰہی معطل ہیں۔ مالِ غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں، تمہارے بیشمار خطوط میرے پاس پیامِ بیعت لیکر پہونچے، تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالے کرو گے، اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہِ ہدایت ہے کیونکہ میں حسین ابن علیؓ ابن فاطمہؓ رسولؐ کا نواسہ ہوں، میری جان تمہاری جان کے ساتھ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں، مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو، لیکن اگر تم ایسا نہ کرو بلکہ اپنا عہد توڑ کر اپنی بیعت کا حلقہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں، تم میرے باپ بھائی اور عمزاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو، وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے، تم نے اپنا حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی، جو بدعہدی کرے گا خود اپنے ہی خلاف بدعہدی کریگا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"[1]

ایک دوسری تقریر میں ارشاد فرماتے ہیں "معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی، ذرا تلچھٹ باقی ہے، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے، ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے، افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے، کوئی نہیں جو اسکا ہاتھ پکڑے، وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے، میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندہ

---

[1] حضرت امامؑ کا مخاطب ابنِ سعد بھی تھا کیونکہ وہ مدینہ سے کوفہ آ بسا تھا، (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۲۱۱)

رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔" (شہادتِ حسین۔ از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ص۹ وص۱)

کربلا کا یزیدی جنرل ابن سعد

مختصر تعارف

اس کا نام عمر تھا، اس کے والد بزرگوار حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ تھے، جو رشتے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہوتے تھے، جلیل القدر صحابی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار مبشر بالجنۃ اور ایران کے فاتح تھے، انھیں محترم باپ کی نسبت سے عمر و بن سعد کہلاتا تھا، اسلامی تاریخ میں تین عمر نہایت مشہور و ممتاز گذرے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عمر بن سعد اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پہلے اور تیسرے عمر اسلامی تاریخ کے آفتاب و ماہتاب ہیں اور دوسرا عمر اسلامی تاریخ کی پیشانی کا سیاہ داغ ہے۔ اسی لئے مسلمان اسے عمر بن سعد کہنا گوارا نہیں کرتے صرف ابن سعد کہتے ہیں۔ کفر و اسلام سے قطع نظر اپنے باپ کے ناخلف ہونے کے اعتبار سے ابن سعد تقریباً ایسا ہی تھا جیسا ناخلف حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا۔

پسرِ نوحؑ با بداں بنشست   خاندانِ نبوتش گم کرد

ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے ابنِ سعد کو روایتِ حدیث کے ناقابل قرار دیدیا کہ وہ مسلمان تھا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا تھا، نمازوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کی آلؑ پر درود بھیجتا تھا، حضورؐ کا قریب ترین رشتہ دار تھا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس نے میدانِ کربلا میں اپنی زیرِ قیادت و ہدایت اور اپنی آنکھوں کے سامنے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی شقاوت و بربریت کے ساتھ قتلِ عام کرایا، نہ بوڑھوں پر رحم کیا، نہ جوانوں پر اور نہ بچوں پر، سب کو خاک و خون میں سلا دیا۔

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں
بر زوالِ آلِ پاکِ رحمۃ للعالمیں

یزید کے بعد ابن سعد "خلافتِ معاویہ و یزید" کے مصنف کا سب سے محبوب ممدوح ہے، اس لئے اس مصنف نے یزید کے بعد سب سے زیادہ اسی کیلئے کذب بیانی، دروغ بافی، بد دیانتی و بے ضمیری سے کام لیا ہے، اور اس کے وہ وہ محامد و محاسن بیان کئے ہیں کہ ؎ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہئے ! ۔

اپنے محترم باپ کے قابلِ احترام نام کو اس نے رسوا کیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مسلمان کا جو ایمانی تعلق ہوتا ہے اسکو اس نے پامال کیا۔ خاندانِ رسالت سے اسکی جو قرابتیں تھیں ان کا اس نے خون کیا۔ لیکن مصنفِ "خلافتِ معاویہ و یزید" انھیں چیزوں کو اس ظالم و شقی کی صفائی کی دلیل بناتا ہے، واقعات کے روزِ روشن میں دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ کہتا ہے ایک مسلمان جو کافر و زندیق نہ تھا، جو تابعی تھا، جو رسول کا کلمہ پڑھتا تھا، جو رسول پر نمازوں میں درود بھیجتا تھا، جو رسول سے قرابتِ قریبہ رکھتا تھا، وہ اہلِ بیتِ رسول کو قتل کیسے کر سکتا تھا؟ یا کرا سکتا تھا؟ ؎

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

حقائق حقائق ہیں، میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کا سپہ سالار یہی ابن سعد تھا، اہلبیتِ اطہار کا قتلِ عام ہوا، اور ابنِ سعد کی زیرِ قیادت ہوا، اسکی فوج کے ہاتھوں ہوا، لیکن "خلافتِ معاویہ و یزید" کا مصنف نصف النہار میں آفتاب کا انکار کرتا ہے، کہتا ہے یہ سب باتیں فرضی اور وضعی ہیں، گویا حضرت امام حسینؓ کے اہل بیت کے جوانوں اور بچوں نے یزیدی فوج کی تلواروں کی دھار پر خود گلے رکھ دئے۔ تیرہ سو برس کی طویل اسلامی تاریخ میں نہ ابنِ سعد کا سا ظالم و شقی پیدا ہوا اور نہ مصنف "خلافتِ معاویہ و یزید" کا سا ظالموں اور شقیوں کا وکیل صفائی !! بقول ماہر القادری صاحب اگر واقعہ کربلا معتبر نہیں تو پھر کوئی تاریخی واقعہ صحیح نہیں

ہم کبھی تاریخ کو اک نظر دیکھ لیں — سامنے آئیں اربابِ نقد و نظر
ہر روایت غلط۔ ہر درایت غلط — یہ شہادت نہیں ہے اگر معتبر

ابن سعد کی صحابیت وتابعیت کی حقیقت

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے "خلافت معاویہ ویزید" کے مصنف نے ابن سعد کی شقاوت وبربریت پر پردہ ڈالنے کیلئے اس کو صغیر السن صحابی اور بزرگ تابعی اور راوی حدیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ابن سعد صحابی نہ تھا کیونکہ کوئی تابعی صحابی کیسے ہو سکتا ہے۔ ابن سعد کے صغیر السن صحابی ہونے کے ثبوت میں عباسی صاحب نے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی "اصابہ فی تمیز الصحابہ" کا ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ اور پھر اسی ابن سعد کو علامہ ابن حجرؒ ہی کی "تہذیب التہذیب" سے ثقہ تابعی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (طبع ۲ ص ۲۱۵) گویا ابن سعد بیک وقت صحابی بھی تھا اور تابعی بھی۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ دراصل ابن سعد کیا تھا، اور عباسی صاحب کے پیش کردہ فضائل و مناقب کتنے جعلی ہیں؟

پہلے ابن سعد کی صحابیت کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے، اصل بات یہ ہے علامہ ابن حجرؒ نے "اصابہ فی تمیز الصحابہ" میں چار قسم کے صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو دراصل صحابی نہ تھے لیکن لوگوں نے غلطی سے ان کو صحابہ میں داخل کر لیا ہے، علامہ ابن حجرؒ نے پہلے ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں پھر وہ روایتیں نقل کی ہیں جو ان کو صحابی ثابت کرنے کیلئے وضع یا بیان کی گئی ہیں پھر ان وضعی روایات اور بے حقیقت بیانات کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ جس باب کے تحت علامہ ابن حجرؒ نے ابن سعد کا ذکر کیا ہے اس کا نام ہی ہے "القسم الرابع فیمن ذکرہم غلطا وبیانہ" یعنی چوتھی قسم ان لوگوں کے بیان میں جو غلطی سے جماعت صحابہ میں داخل کئے گئے ہیں۔ اور اس غلطی کا بیان،

علامہ ابن حجرؒ نے ابن سعد کا ذکر اسی باب میں کیا ہے اور وہ بیان نقل کیا ہے جو آپ کے نزدیک غلط اور بے بنیاد ہے، لیکن عباسی صاحب نے علامہ ابن حجرؒ کے ساتھ یہ خیانت کی ہے کہ ان کی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" کے حوالہ سے اس غلط اور بے اصل بیان کو پیش کر کے ابن سعد کو صحابی بنا دیا ہے جو انھوں نے اس کی صحابیت کی تردید کیلئے نقل کیا ہے اور

بدیہات ست چوں مفہوم خلیفہ و شروط اورا در ذہن (صہ ۲۰)

کیونکہ جب ہم خلیفہ کا مفہوم اور اسکی شرطیں ذہن میں لاتے ہیں اور خلفائے اربعہ کے حالات پر جو بسندِ مستفیض معلوم ہوئے ہیں نگاہ ڈالتے ہیں تو بدیہی طور پر ان میں خلافت کی شرطوں کا پایا جانا اور مقاصد خلافت کا اعلیٰ طور پر ان سے ظاہر ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا یہاں بھی کوئی نقطہ ایسا نہیں ہے جو حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کے انعقاد کے خلاف ہو۔ حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ ہیں شاہ صاحب چاروں خلفاء کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اثبات خلافتِ عامہ برائے خلفائے اربعہ اجلیٰ بدیہیات است"

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے متعلق امام ابن تیمیہؒ کی رائے ملاحظہ ہو۔

فہذہ بیعۃ علی امتنع منہا خلق من الصحابۃ والتابعین من لا یحصیہم الا اللہ تعالیٰ فذلک قادح فی امامتہ (صہ ۵۸)

حضرت علیؓ کی بیعت جس سے صحابہ اور تابعین کی اتنی بڑی مخلوق رکی جس کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تو کیا یہ حضرت علیؓ کی امامت کیلئے قادح ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے والے صحابہ اور تابعین کی جس بنیاد پر مولانا عثمانی اور عباسی صاحب نے خامہ فرسائیاں کی ہیں علامہ ابن تیمیہ نے اس بنیاد ہی کو ڈھا دیا، جو لوگ حضرت علیؓ کی بیعت سے دستکش رہے ان کی علیحدگی حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتی۔ شرائطِ خلافت کی رو سے آپ کی خلافت بالکل صحیح تھی خود امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

ولہذا لما بویع علی وصار معہ شوکۃ صار اماماً (صہ ۵۸)

اس لئے جب حضرتِ علیؓ کی بیعت ہو گئی اور وہ صاحب شوکت ہو گئے تو وہ امام ہو گئے۔

علامہ ابن حجرؒ کا تردیدی بیان چھوڑ دیا ہے، بیانِ زیر بحث علامہ ابن حجرؒ کا نہیں بلکہ ابوبکر بن فتحون مالکی کا ہے جسے انھوں نے "الاستیعاب" کے ذیل میں لکھا ہے اور عباسی صاحب نے "الاصابہ" کے حوالہ سے اپنی کتاب کے صفحہ ص۲۱۶ میں بڑے طمطراق سے نقل کر دیا ہے،

علامہ ابن حجرؒ نے ابنِ فتحون کے زیر بحث بیان کو نقل کر کے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے اور جسے عباسی صاحب نے چھوڑ دیا ہے وہ یہ ہے۔

قلت قد جزم امام المحدثین یحیی بن معین بان عمر بن سعد ولد فی سنۃ التی مات فیھا عمر بن الخطاب ؓ ذکر ابن ابی خیثمۃ فی تاریخہ	میں کہتا ہوں امام المحدثین یحییٰ بن معین نے نہایت قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عمر بن سعد اس سال پیدا ہوا جس سال حضرت عمرؓ نے وفات پائی، ابن خیثمہؒ نے اس کو اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے

(جلد ۳ ص۱۶۷ــ از روزنامہ انقلاب ۲ر دسمبر ۵۹ء)

عباسی صاحب نے مسلمانوں کو اور علمی دنیا کو دھوکا دینے کیلئے علامہ ابن حجر کے متعلق جو تہمت تراشی کی ہے اس کی انتہا یہیں تک نہیں ہو جاتی، ابن سعد کو تابعی ثابت کرنے کیلئے علامہ ابن حجرؒ کی دوسری کتاب "تہذیب التہذیب" کا حوالہ بھی نقل کیا ہے اور اس کتاب میں بھی ابن فتحون مالکی کے بیان کے متعلق علامہ ابن حجر کی یہ رائے موجود ہے۔

قلت اعزب ابن فتحون نذکرہ فی الصحابۃ معتمدا علی ما نقلہ عن الفتوح وان اباہ امرہ علی جیش فی فتوح العراق	میں کہتا ہوں ابن فتحون نے بڑی ہی انوکھی بات کی کہ ابن سعد کو صحابہ میں داخل کر دیا، اور اس بات پر اعتماد کر لیا کہ وہ فتوحاتِ اسلامی میں شامل تھا اور اس کے باپ نے فتوحاتِ عراق میں ایک فوج کا امیر مقرر کیا تھا

(جلد ۷ ص۴۵۱ از انقلاب ۲ر دسمبر ۵۹ء، مضمون مولانا قاضی اطہر مبارکپوری)

علامہ ابن حجرؒ نے تو ابن فتحون ہی کے بیان پر اس قدر حیرت کا اظہار کیا ہے، کہیں ان کے زمانے میں کوئی محمود احمد عباسی ہوتا تو علامہ رحمۃ اللہ علیہ سر پیٹ لیتے، عباسی صاحب تو ابن

سعد کو صحابی ثابت کرنے کیلئے اس طرح تل گئے ہیں کہ بخاری اور مسلم کی حدیث تک پر جرح و قدح کر کے اس کی صحت کا انکار کر دیا ہے۔

ابنِ سعد کی ثقاہت

مولف "خلافت معاویہ و یزید" نے ابن سعد کو صحابی ثابت کرنے کیلئے جس ہتھکنڈے سے کام لیا تھا اسی ہتھکنڈے سے اسے تابعی اور ثقہ محدث اور راوی ثابت کرنے میں کام لیا ہے، اور حضرت علامہ ابن حجرؒ کو پھر تختہ مشقِ خیانت بنایا ہے، چنانچہ مصنف نے صفحہ ۲۱۶ میں "تہذیب التہذیب" کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں ہے کہ عمر بن سعد نے فلاں فلاں سے حدیثیں روایت کیں اور ابن سعد سے فلاں فلاں نے، اور آخر میں لکھا ہے۔

وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقۃ

اور عجلی نے کہا کہ ابن سعد نے اپنے والد سے حدیثیں روایت کیں اور وہ ثقہ تابعی تھا،

یہ ایک ناقص اقتباس ہے جس کے ذریعہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" نے دنیا کو سخت دھوکا دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے ابن سعد کو ثقہ قرار نہیں دیا، بلکہ اس کے ثقہ ہونے کی تردید کی ہے، علامہ ابن حجر کا پورا بیان اس طرح ہے۔

وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقۃ وھو الذی قتل الحسین وذکر ابن ابی خیثمۃ باسنادٍ لہ ان ابن زیاد بعث عمر بن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر ذی الجوشن وقال لہ اذھب معہ فان قتلہ والا فاقتلہ وانت علی الناس و قال خیثمۃ عن ابن معین کیف یکون

اور عجلی نے کہا کہ ابن سعد نے اپنے والد سے حدیثیں روایت کیں اور ثقہ تابعی تھا اور ابن سعد وہی ہے جس نے حسینؓ کو قتل کیا تھا اور ابن خیثمہ نے خود اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے ابن سعد کو ایک لشکر کا امیر مقرر کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا اور شمر ذی الجوشن سے کہا کہ تو بھی اس کے ساتھ جا اگر یہ حسین کو قتل کر دے تو بہتر ورنہ تو اُن کو قتل کر دینا، اس صورت میں تو ہی

امیر العسکر ہوگا" اور ابن سعد ہی نے حضرت حسینؓ کو قتل   من قتل الحسین ثقۃ" ؟
کیا) چنانچہ ابن خثیمہ نے حضرت ابن معین سے روایت   (ص۴۵۱ - از انقلاب ۲۷ر نومبر ۱۹۵۵ء)
کی ہے کہ جس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا وہ ثقہ کیسے ہو سکتا ہے،

علامہ ابن حجر کی "تہذیب التہذیب" کی عبارت ابھی پوری نہیں ہوئی، اور آگے سنئے، عیزار ایک محدث ہیں جنکی کنیت ابو سعید تھی محدث عمرو بن علی نے متصل سند کے ساتھ ان کا واقعہ بیان کیا ہے کہ عیزار نے جیسے ہی عمر بن سعد سے حدیث شروع کی قبیلۂ بنی ضبیعہ کے ایک شخص نے جس کا نام موسیٰ تھا عیزار کو ٹوکا،

یا ابا سعید ھذا قاتل الحسین فسکت فقال عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت وروی ابن خراش عن عمرو ابن علی نحو ذلک وقال فقال له رجل اما تخاف الله تروی عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود —
(تہذیب التہذیب - از انقلاب ۲۷ر نومبر ۱۹۵۵ء)

ابو سعید! یہ شخص (جس سے تم روایت کر رہے ہو) تو قاتل حسین ہے، یہ سنکر عیزار خاموش ہوگئے، وہ شخص پھر بولا۔ تم ہم سے قاتل حسین کی روایت بیان کرتے ہو، عیزار پھر بھی خاموش ہی رہے، اور محدث ابن خراش نے بھی محدث عمرو بن علی سے اسی طرح کی روایت بیان کی ہے کہ محدث عیزار نے ابن سعد سے روایت کرنی چاہی تو ایک شخص نے ان سے کہا تم اللہ سے ڈرتے نہیں، عمر بن سعد سے روایت کرتے ہو؟ اس پر محدث عیزار رو پڑے اور کہا۔ میں اب کبھی ابن سعد سے حدیث روایت نہ کروں گا۔

امام ابن حاتم رازی صاحب "کتاب الجرح والتعدیل" متوفی ۳۲۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

نا عبد الرحمٰن نا ابوبکر بن ابی خثیمۃ فیما کتب الیّ قال سألت یحیی بن معین عن عمر بن سعد أثقۃ ھو فقال کیف یکون من قتل الحسین

ہم سے عبد الرحمٰن نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں امام ابوبکر بن ابی خثیمہ نے خبر دی کہ میں نے خود امام یحیی بن معین سے عمرو بن سعد کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ ثقہ ہے؟ انھوں نے فرمایا

ابن علی رضی اللہ عنہ — جو شخص حضرت علی کے فرزند حسینؓ کو قتل کرے وہ ثقہ کیسے ہو سکتا ہے۔
(کتاب الجرح والتعدیل جلد ۳ ص ۱۱۲)

مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" نے لکھا ہے کہ عمرو بن سعد کو قتلِ حسینؓ سے متہم کیا جانے لگا تو متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث کے لینے میں تامل ہوا پھر علامہ ذہبی کی رائے نقل کر کے لکھا ہے کہ ان کا زمانہ ابن سعد سے تقریباً سات سو برس بعد کا ہے۔ (ص ۲۱۵) مولف کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے، حضرت امام یحییٰ کا سالِ وفات ۲۳۳ھ ہے، اور آپ، امام ابو خیثمہؒ امام عبدالرحمٰن، امام ابن حاتم رازی اسماء الرجال اور فنِ جرح و تعدیل کے مسلم الثبوت امام ہیں اور سب نے ابن سعد کو ناقابلِ روایت اور غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

کذب و افتراء یا حقیقت؟

مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" کے صحابی یا تابعی، ثقہ راوی حضرت ابن سعد پر الزام ہے کہ اس نے حکومتِ رے کے لالچ میں اہلبیت رسولؐ کا خون کیا، مؤلف نے اس الزام کو کذب و افتراء قرار دیا ہے اور ص ۱۹۹ سے ص ۲۰۰ تک اس الزام کی صفائی میں سیاہ کر ڈالے ہیں۔ صفائی کے مختلف دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔ رے کا علاقہ ابن سعد کو پسند نہ تھا، والیٔ کوفہ ابن زیاد کو ابن سعد سے کسی صوبہ کی حکومت کا معاملہ طے کرنے کا اختیار نہ تھا، واقعہ کربلا کے بعد ابن سعد رے کی حکومت پر مامور نہیں ہوا، ابن سعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قریب ترین دوست تھا، وہ آپ کو اور آپ کے اہلبیت کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔

ہماری طرف سے ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ حکومت کسی صوبہ کی ہو حکومت ہے، کوئی تو رے کا والی تھا ہی، ابن زیاد یزید کا چچیرا بھائی اور معتمد علیہ تھا، سبطِ رسول اور اہلبیتِ اطہار کے مقابلے میں کھڑے ہونے کیلئے ابن سعد کی بڑی قیمت تھی کہ وہ اہلبیت کا قریبی رشتہ دار تھا اگر کوئی ایسا شخص آگے نہ بڑھتا تو کون مسلمان اہلبیت کے قتل پر آمادہ ہوتا؟ ایسی صورت

میں ابنِ زیاد کیلئے رَے کی حکومت کی قیمت پر ابن سعد کا سودا مہنگا نہ تھا، واقعۂ کربلا کے بعد ابن سعد رَے کی حکومت پر مامور نہ ہوا تو ایسے بدبخت خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوا ہی کرتے ہیں۔ اور مؤلف کے تمام دلائل کا مسکت رد خود ابنِ سعد نے اہل بیت اطہارؓ کو قتل کر کے کر دیا، وہ مؤلف تو خود بڑے سرے کا کاذب ہے کہ جو واقعاتِ کربلا کی تکذیب کیلئے پونے چار سو صفحات کی کتاب لکھ ڈالے،

کربلا میں آلِ رسولؐ کا قتلِ عام

اے شبابِ فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا — لہلہاتا کٹ رہا ہے گلستانِ اہلبیتؓ

زیرِ دیوارِ حرم سے، گنبدِ خضریٰ سے دور — کربلا میں لٹ رہا ہے کاروانِ اہلبیتؓ

جمعہ کا دن ہے گنا ہیں زیست کی طے کر کے آج — کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلبیتؓ

تم نے دی حق کی شہادت سایۂ شمشیر میں — مرحبا صد مرحبا اے دودمانِ اہلبیتؓ

راہِ حق میں مر کے تم نے حق کو زندہ کر دیا — رحمتِ دائم ہو تم پر خاندانِ اہلبیتؓ

جسم بے گور و کفن ہیں سر ہیں نیزوں پر بلند
اللہ اللہ ایسی رفعت، ایسی شانِ اہلبیتؓ

کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید" پونے چار سو صفحات اور ۵۶ عنوانات پر مشتمل ہے، لیکن اس میں سانحۂ کربلا سے متعلق کوئی عنوان نہیں ہے، حالانکہ "خلافتِ معاویہ ویزید" کا مرکزی موضوع یہی ہے، خونریزی یزیدی حکومت کے واقعات وحوادث میں سب سے زیادہ رسوا کن شہرت اسی سانحہ کو حاصل ہے، سانحۂ کربلا سے متعلق جتنے واقعات و حوادث ہیں "خلافتِ معاویہ ویزید" کے مؤلف نے سب کو فرضی اور وضعی قرار دیا ہے لیکن اس سے تو کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ سانحۂ کربلا وقوع میں آیا، اور اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتلِ عام ہوا، اگر اس ہوشربا و جگر پاش سانحہ سے متعلق تمام موجودہ واقعات فرضی اور وضعی ہیں، تو صحیح اور مستند واقعات کیا ہیں؟

155

اگر مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" اپنے دعوے میں جھوٹا نہیں سچا تھا تو صحیح اور مستند واقعات پیش کرنا اس کا فرض تھا، وہ موجودہ واقعات وحوادث کی صحت کا انکار کر کے اور ان کو فرضی اور وضعی کہہ کر جھوٹا تو کہلایا جاسکتا ہے لیکن اپنے دعوے میں صادق قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اپنی کتاب کے ماخذ کے طور پر اسّی کتابوں کے نام گنوائے ہیں، پھر یہ کیا کہ ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پائے بر و کتابے چند

اس نے کسی کتاب سے بھی مستند اور صحیح واقعات پیش کیوں نہیں کئے؟ کیا وہ سب کی سب غیر مستند اور وضعی روایات ہی کا انبار ہیں؟ کسی ایک کتاب میں بھی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل عام کے متعلق صحیح واقعات موجود نہیں ہیں؟ حقیقت دراصل یہ نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ مؤلف کا مقصد ہے یزید، ابن سعد اور ابن زیاد کو معصوم ثابت کرنا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی، غلط کار اور مجرم، اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ تمام واقعات کی صحت کا انکار کر دیا جائے تاکہ جو چاہا جائے لکھا جائے۔ اگر مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" مستند سے مستند کتاب سے صحیح تر واقعات بھی پیش کرتا تو اس کی دروغ بافی و کذب بیانی اور مغالطہ دہی و فریب کاری پر ٹکی ہوئی تحقیق کی دھوکے کی ٹٹی زمیں بوس ہوجاتی،

یہ کوئی مبالغہ آمیز دعویٰ نہیں ہے، ہم ایسی کتابوں سے حادثۂ کربلا پر روشنی ڈالیں گے جن کو مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" خود معتبر قرار دے کر بار بار ان کے حوالے دے چکے ہیں اس سے آپ پر مؤلف کی کذب بیانی و دروغ بافی، مغالطہ دہی و عیاری بالکل عیاں ہوجائے گی،

مؤلف نے ۱۶ صفحوں میں حادثۂ کربلا پر بحث کی ہے، مگر اس کا عنوان بجائے حادثۂ کربلا "کردار ابن سعد" مقرر کیا ہے، اور بحث کی ہے ابن سعد کے وکیل صفائی کی حیثیت سے اور اس کی پوزیشن صاف کرنے کیلئے حادثۂ کربلا کی جو فرضی صورت پیش کی ہے وہ کسی اسلامی تاریخ میں موجود نہیں، صرف انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ایک چند سطری اقتباس دیا ہے (ص۳۱۱) اور دراصل وہی فرضی صورت مؤلف کے نقطۂ نظر کی بنیاد ہے، اور انسائیکلوپیڈیا آف

اسلام کے مصنفین نے اسی طرح کے کتنے ہی اسلامی واقعات و مسائل کی صورت مسخ کر کے رکھدی ہے، اسلامی تاریخ و سیرت سے گریز کر کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو وہی مسلمان سند بنا سکتا ہے، جو حق و صداقت کو خیرباد کہہ چکا ہو،

"تاریخ ابنِ خلدون میں حادثہ کربلا کی جگہ دو تین ورق سادہ چھوٹے ہوئے ہیں، وہ پوری تحقیق کے بعد اس کو لکھنا چاہتے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ مؤلف "خلافتِ معاویہ ویزید" حادثہ کربلا سے متعلق واقعات کو وضعی و فرضی قرار دینے کی غرض سے لکھتا ہے۔

"کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا، غالباً سوائے ابن خلدون کے جن کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانسو برس کی مدت گذر جانے پہ بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے"[1] (ص ۲۱۵)

دیکھ رہے ہیں مؤلف کی جسارت؟ اس کے نزدیک اسلامی تاریخ کا تیرہ سو برس کا ذخیرہ واقعاتِ کربلا کی حد تک یکسر موضوعات کا انبار ہے، ہم کہتے ہیں کہ جب مؤلف کے سامنے اتنی کتابیں موجود تھیں اور وہ اپنی تحقیق و ریسرچ کے نچوڑ کے طور پر "خلافت معاویہ ویزید" لے کر دنیا کے سامنے آیا ہے تو اسے خود تحقیقی حالات پیش کرنے تھے، وہ وضعی روایات اور ابن خلدون کے دو تین ورقوں کا رونا روتا ہوا کس منہ سے آیا!

حادثہ کربلا کے متعلق ابن خلدون کا نقطہ نظر

یہ ابن خلدون کی خوش قسمتی ہے جو ان کی تاریخ میں واقعاتِ کربلا موجود نہیں، ورنہ مولفِ خلافتِ معاویہ ویزید" اس کو بھی واقعاتِ کربلا کی حد تک غیر معتبر کتابوں میں شامل کر دیتا، لیکن مؤلف کی بدقسمتی سے مقدمہ ابن خلدون موجود ہے اور اس سے دنیا واضح

[1] مولینا قاضی اطہر مبارکپوری نے مقدمہ ابن خلدون سے محققانہ بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ مؤلف "خلافتِ معاویہ ویزید" کا بیان جھوٹا ہے، علامہ ابن خلدون نے اوراق سادہ چھوڑ دئے تھے، (انقلاب ۱۸ ارنومبر ۵۹)

طور پر جان لے سکتی ہے کہ ابنِ خلدون کی نظروں میں واقعہ کربلا کی نوعیت کیا تھی اور اگر وہ واقعہ کربلا لکھتے تو ظالم و شقی یزید اور ابن زیاد و ابن سعد کی شقاوت و درندگی کے کس قدر خلاف لکھتے واقعہ کربلا سے متعلق ابنِ خلدون کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کیلئے مقدمۂ ابنِ خلدون کے منقولۂ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے ۔۔۔

"اب رہا حضرت حسین رضؓ کا واقعہ، تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب یزید کا فسق و فجور تمام اہلِ زمانہ کے سامنے آشکارا ہو گیا تو طرفدارانِ اہلبیت نے کوفہ سے حضرت حسین رضؓ کو بلوایا، اور لکھا کہ آپ تشریف لائیں، ہم آپ کی پشت پناہی میں ہیں، حضرت امامؓ نے سوچا کہ یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی، خصوصاً جب کہ اس پر قدرت بھی ہو تو پھر تاخیر کیوں کی جائے، اور آپ نے اپنے میں اسکی اہلیت بھی پائی، اور شوکت بھی، اہلیت تو بہرحال آپ میں آپکے خیال سے بھی زیادہ ہی تھی، لیکن شوکت کے اندازہ میں آپ صحیح نقطۂ نظر پر نہ پہونچ سکے۔" (ص ۲۱۶)

"حضرت امام حسین رضؓ سے معاملہ فہمی میں کچھ غلطی ہوئی، لیکن چونکہ یہ غلطی امرِ دنیوی میں تھی اس لئے یہ آپ کی عظمتِ شان پر اثر انداز نہ ہو سکی، رہا حکمِ شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپنے ہرگز غلطی نہیں کی، کیونکہ اس کا مدار آپکے گمان پر تھا، اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے، جب حضرت امامؓ مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے تو حضرات ابن عباس رضؓ، ابن الزبیر رضؓ، ابن عمر رضؓ، ابن حنفیہ رضؓ آپکے بھائی اور دوسروں نے آپ کو جانے سے روکا اور انھوں نے سمجھا کہ آپ جانے میں غلطی پر ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یوں ہی مقدر ہو چکا تھا، اس لئے حضرت امامؓ اپنے ارادے سے نہ پھرے اور روانہ ہو گئے، حضرت امام حسین رضؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس عراق و شام میں اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کرنے کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا، کیونکہ اس میں فتنہ و فساد اور خونریزی کا اندیشہ تھا، اسی لئے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت امامؓ کا ساتھ نہ دیا، مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان کو گنہگار ٹھہراتے،

کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے، اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعثِ گناہ نہیں سمجھا جاتا۔" (محنت ۲۴۴)

"پھر یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جس طرح دیگر صحابہؓ نے اجتہادی اختلاف کے باعث حضرت امامؓ کا ساتھ چھوڑا اسی طرح امامؓ موصوف کی شہادت بھی انھیں صحابہؓ کے اجتہاد ہی سے ہوئی ہوگی، خدا کی پناہ! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کی ذمہ داری تو صرف یزید اور اس کے ساتھیوں کے کندھے پر ہے، پھر یہ بھی نہ کہیے کہ جب صحابہ کرامؓ نے یزید کے فاسق ہونے پر بھی اس کے خلاف خروج کو جائز نہیں قرار دیا تو یزید کے افعال بھی ان کے نزدیک صحیح ہوں گے، ہرگز نہیں، فاسق کے وہی اعمال صحیح قابلِ نفاذ ہوتے ہیں جو شریعت کے دائرہ میں ہوں، یہاں قتال کی تو کوئی صورت صحابہؓ کے نزدیک متصور نہ تھی کہ وہ اس کو جائز رکھتے کیونکہ باغیوں سے قتال کرنے کیلئے ان کے نزدیک امام عادل کی سرکردگی لازم ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لئے کہ یزید امام عادل نہیں کہ اسکی کمان میں لڑائی لڑی جائے۔"

"خلاصہ پوری بات کا یہی نکلا کہ صحابہؓ کے نزدیک نہ تو حسینؓ کا یزید کے ساتھ لڑنا جائز تھا نہ یزید کی جنگ امام موصوفؓ کے ساتھ، بلکہ یزید نے جو کچھ نازیبا حرکت کی وہ اس کے فسق و فجور کو بڑھاتی اور پختہ کرتی ہے، اور اسکی بد اعمالیوں پر مہر لگاتی ہے، اور حضرت امامؓ شہید ہیں اور مستحقِ ثواب، اور وہ اپنے اجتہاد پر ہیں، اور حق بجانب، اور جو صحابہؓ یزید کے ساتھ تھے وہ بھی چونکہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے اس لئے وہ بھی حق ہی کے پیرو مانے جائیں گے، اس مسئلہ پر قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اپنی کتاب "عواصم و قواصم" میں جو خیال آرائی کی ہے وہ حق و صداقت سے بعید ہے کہ کہا ہے کہ امام حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے بموجب قتل کئے گئے، یہ غلطی یوں سرزد ہوئی کہ قاضی موصوف نے امام عادل کی شرط سے غفلت برتی ہے، سچ پوچھئے تو اہل الرائے سے لڑنے کیلئے حضرت امامؓ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ کون امامت و عدالت کی رو سے حقدار ہو سکتا تھا، پھر محض ایک فاسق و فاجر کی بلاۓ

سے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آپ شریعتِ محمدی پر آپ قتل کیے گئے؟" (مقدمہ ابن خلدون ص۲۸۵)

دیکھ لیجئے علامہ ابنِ خلدون نے مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" کی طرح مندرجہ بالا اقتباسات میں کہیں ایک لفظ بھی یزید اور اس کے دست بازو ابن زیاد، ابن سعد وغیرہ کی حمایت یا صفائی میں نہیں لکھا ہے اس کے برعکس واشگاف طور پر انہیں ظالم، شقی اور بدبخت ہی قرار دیا ہے، اس سے قیاس کیجئے کہ اگر علامہ ابنِ خلدون اپنی تاریخ میں واقعات کربلا کی روداد لکھتے تو اس کے آئینے میں یزید، ابن زیاد، اور ابن سعد کے چہرے کتنے مکروہ اور خوفناک نظر آتے۔

واقعۂ کربلا کا عباسی کا پیش کردہ نقشہ

مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" نے حادثۂ کربلا کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ابنِ سعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا محاصرہ کیے کھڑا تھا، اور انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ کشت و خون کی نوبت نہ آنے پائے، لیکن برادرانِ حضرت مسلمؓ اور حضرت امامؓ کے ساتھیوں نے خود اچانک حملہ کر دیا، اس پر بھی ابنِ سعد نے اپنی فوج کو حملے کی اجازت نہ دی، صرف دفاع پر قناعت کی، مؤلف ابن سعد کی وکالت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کفر و زندقہ کا الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی ان پر (یعنی ابن سعد پر) عائد نہیں کیا، تو پھر یہ بات کیونکر قابلِ قیاس ہو سکتی ہے کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوں، جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابتِ قریبہ ہو کہ ان کی دختر فاطمہ زہراؓ رشتہ میں ان کی پھوپھی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں ان ہی کے فرزندِ دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسے ہوں ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کی لالچ میں؟" (ص۲۱۸)

یہ ہے حادثۂ کربلا کے نقشے کی تمہید، نقشہ یہ ہے ـــــــ

"الاستیعاب فی معرفت الاصحاب" کے مصنف امام حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ معروف بابن عبدالبر اندلسیؒ بھی محمود احمد عباسی صاحب کے معتمد علیہ ہیں۔ ان کی رائے بھی دیکھئے ـــ تحریر فرماتے ہیں :-

بویع لعلی رضی اللہ عنہ بالخلافۃ یوم قتل عثمان رضی اللہ عنہ واجتمع علی بیعتہ المہاجرون والانصار وتخلف عن بیعتہ منہم نفر فلم یھجھم ولم یکرھھم وسئل عنہم فقال اولئک قوم تعدوا عن الحق ولم یقوموا مع الباطل۔

(جلد ۲ صفحہ ۴۵۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی کے روز بیعت کی گئی۔ اور مہاجرین والانصار آپ کی بیعت پر مجتمع ہو گئے۔ اور ان میں سے چند نفر جو بیعت سے پیچھے رہ گئے تو حضرت علیؓ نے نہ ان کی ہجو کی اور نہ بیعت کیلئے ان پر دباؤ ڈالا۔ ان کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں کہ حق کا ساتھ دینے سے تو بیٹھ رہے لیکن باطل کیساتھ کھڑے بھی نہیں ہوئے۔

علامہ ابن خلدون دنیا کے مانے ہوئے محقق مورخ ہیں اور عباسی صاحب نے بھی ان کو محقق تسلیم کیا ہے، وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انعقاد خلافت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ مہاجرین وانصار کا ایک گروہ حضرت علیؓ کے پاس بغرض بیعت گیا حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میرا وزیر ہونا اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا امیر ہوں۔ تم جسے بھی امیر بناؤ گے میں اسے منظور کر لوں گا۔ لوگوں نے بڑی منت وسماجت سے کہا۔ ہمارے نزدیک اس منصب کا آپ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے اور نہ ہم آپ کے سوا کسی اور کو منتخب کر سکتے ہیں لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت علیؓ مسجد

ن واقعات سے یہ ثابت ہے کہ جدال وقتال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کررہے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی سے سلجھ جائے، اور وہ تنہا ہی اس کیلئے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ ابن زیاد، اور دوسرے افسروں (غالباً شمر وغیرہ) کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔ خود امیرالمومنین (یزید) کی اپنے اس عامل کو جسے خاص طور پر کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کرے، اور اس وقت تک تلوار نیام میں نہ رکھے جب تک اس کے خلاف تلوار نہ اٹھے، سپہ سالار فوج عمر بن سعد کا رویہ نازک موقع آجانے پر بھی دہی مصلحانہ و ہمدردانہ رہا حتی کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کردیا گیا تو انھوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملے یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا۔" (صفحہ ۲۱۹)

مولف" خلافت معاویہ و یزید" نے مختلف پیرایوں میں اسی مضمون کو دہرایا ہے لیکن ہم نے سب سے مفصل مقام نقل کیا ہے، اوپر تمہیدی اقتباس میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مولف نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خود قتل کرنا یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرانا کفر و زندقہ ہے، اور دوسرے اقتباس میں یہ دکھایا ہے کہ ابن سعد کی طرف سے حملہ اور جنگ کی کوئی صورت نہ تھی، اچانک حملہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے کردیا گیا، ہم آجکل کی کسی تاریخ سے کوئی وضعی روایت نہیں بلکہ علامہ ابو حنیفہ دینوری کا بیان پیش کررہے ہیں جنھوں نے ۲۸۲ھ تا ۲۹۰ھ میں وفات پائی اور جو "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف کے نزدیک اتنے معتبر ہیں کہ انھوں نے سات مقامات پر ان کے حوالے دئے ہیں، علامہ دینوری کے بیان سے معلوم ہوگا کہ مولف" خلافت معاویہ و یزید" اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ابن سعد کافر و زندیق نہ تھا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرتا یا اپنے سپاہیوں سے قتل کرواتا، اور اس دعوی میں بھی کہ حملہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی

ظہور سے ہوا، ہم مفتی تجلی مولانا عامر عثمانی سے دریافت کرتے ہیں کہ مولف "خلافت معاویہ و یزید" کے دعوے کے مطابق ابن سعد اور خود مولف کے کفر و اسلام کے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہے؟ علامہ دینوری اخبار الطوال میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رسول پر باقاعدہ فوجی حملہ کیا۔ ملاحظہ ہو

فنادی عمر ابن سعد فی اصحابہ ان انہدوا الی القوم محفض الیھم عشیۃ الخمیس ولیلۃ الجمعۃ لتسع لیال خلون من المحرم (۲۵۳)	ابن سعد نے اپنے لشکریوں میں اعلان کیا کہ ان لوگوں پر حملہ کرو، چنانچہ اس کی فوج آگے بڑھی، یہ جمعرات کی شام اور جمعہ کی شب کا واقعہ ہے، لہ

حضرت امام حسین رض نے ابن سعد سے صبح تک کی مہلت طلب کی تھی اس لئے رات بھر حملہ ملتوی رہا۔ پھر یہ ہوا۔

ولما صلی عمر ابن سعد الغداۃ محفض باصحابہ و علی میمنۃ عمرو ابن الحجاج وعلی میسرۃ شمر بن الذی جوشن (۲۵۳)	عمر بن سعد فجر کی نماز پڑھ چکا تو اس نے اپنی فوج کو حملے کی تیاری کا حکم دیا، میمنہ کا افسر عمرو بن حجاج اور میسرہ کا افسر شمر تھا،
ونادی عمر ابن سعد مولاہ زیدا ان قدم الرایۃ فتقدم بھا وشبت الحرب۔	اور عمر بن سعد نے اپنے غلام زید کو پکارا کہ وہ جھنڈے کو لے کر آگے بڑھے چنانچہ وہ جھنڈا لیکر آگے بڑھا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی

سانحہ کربلا کے اختتام کے بعد ابن سعد نے کیا کیا؟

وبعث عمر بن سعد براس الحسین	جنگ ختم ہوتے ہی عمر بن سعد نے حضرت امام حسین

لہ خدا جانے کتنے فاقوں اور کتنی شبانہ روز کی جانفشانیوں کے بعد عباسی صاحب نے جھک ماری ہے کہ سانحہ کربلا جمعہ کے روز واقع نہیں ہوا، عباسی صاحب کے مقصد شاہ نے ساری کا دن پر پانی

من ساعته الی عبید اللہ بن زیاد مع خولی بن یزید الاصبحی واقام عمر بن سعد بکربلاء بعد مقتل الحسین یومین ثم اذن فی الناس بالرحیل (ص ۱۵۶)

کا سر مبارک خولی بن یزید کے ہاتھ عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا، اور خود حضرت امام کے قتل کے بعد دو روز تک کربلا میں ٹھہرا رہا، پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیا،

ابن قتیبہؒ ابو حنیفہ دینوری کے ہم وطن اور ہمعصر تھے، وہ بھی عباسی صاحب کے معتمد علیہ راوی ہیں، کم از کم پانچ مقامات پر عباسی صاحب نے ان کی تاریخ کتاب المعارف کے حوالے دیئے ہیں کچھ ان سے بھی سن لیجئے۔ یزید کے حالات میں لکھتے ہیں۔

واقبل الحسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنهما یرید الکوفة وعلیها عبید اللہ بن زیاد من قبل یزید فوجه الیه عبید اللہ عمر ابن سعد بن ابی وقاص فقاتله فقتل الحسین رحمة اللہ تعالٰی علیه ورضوانه (ص ۲۳۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے ارادے سے کوچ کیا۔ یزید کی جانب سے کوفہ کا والی عبید اللہ بن زیاد تھا، اس نے عمر بن سعد کو حضرت امام حسینؓ کے مقابلے کیلئے بھیجا، اس نے حضرت امام سے جنگ کی اور آپکو شہید کیا، آپ پر خدا کی رحمت و رضوان ہو۔

کیا حضرت امامؓ کا سر مبارک نعش اقدس سے جدا نہیں کیا گیا؟

مولف کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی کن کن جسارتوں، بیباکیوں، ڈھٹائیوں اور ناحق کوشیوں کا ذکر کیا جائے اور اسکی دروغ بافیوں اور حق پوشیوں کی پردہ دری کی جائے، حادثہ کربلا کے اثرات کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کیلئے ص ۲۲۵ سے لیکر ص ۲۶۵ تک یزید کے فضائل، اموی خلافت کے، بنی امیہ اور اہل بیت اطہار کے تعلقات و روابط پر محض یہ دکھانے کے لئے خامہ فرسائی کی۔ ہے کہ ان قرابتوں کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ یزید اور ان کے عمال وحکام کی طرف سے اہل بیت پر کوئی ظلم وستم ہوا ہو، اس پروپیگنڈے کے نتیجے میں مؤلف نے ایک اتنا بڑا جھوٹا دعوی کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ دعوی یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کا

(163)

سر مبارک کاٹا نہیں گیا، چنانچہ لکھتا ہے،

"ان رشتوں کی اور حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراعی نہیں ہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے، نہ ان کی تشہیر کی گئی، یہ ایک حادثہ محزون تھا جو یکایک پیش آیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو گیا، فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا" (۲۴۵)

مؤلف "خلافت معاویہ و یزید" کا یہ بیان مؤلف اور اسکی کتاب کے کذب و دروغ اور مغالطہ و فریب کا قطب مینار سے نہیں کوہ ہمالہ سے بڑا ثبوت ہے۔ ہمارے دعوے کے ثبوت میں نامور اور ممتاز صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا چشم دید بیان ملاحظہ ہو جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

عن انس ابن مالک قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئاً فقال انس فقلت واللہ انہ کان اشبھھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مخضوبا بالوسمۃ (باب مناقب حسینؓ)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں، حضرت حسینؓ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور وہ ایک طشت میں رکھ دیا گیا، اس کے بعد شقی ابن زیاد (چھڑی سے) اس کو ٹھونکنے لگا اور حضرت حسین کی خوبصورتی کے بارے میں اس نے کچھ (نازیبا) بات کہی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اسکی اس حرکت پر میں نے کہا۔ خدا کی قسم حسینؓ شباہت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے حسینؓ کے بالوں میں وسمہ لگا ہوا تھا

اور ترمذی کی روایت میں ہے، کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

قال کنت عند ابن زیاد فجیئ براس الحسین فجعل یضرب بقضیب فی انفہ ویقول ما رایت مثل ھذا حسنا (اشعۃ اللمعات)

میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا کہ حسینؓ کا سر لایا گیا، اور ابن زیاد ایک شاخ سے حضرت امامؓ کی بینی مبارک میں کھودنے لگا اور (ازراہ تمسخر)

کہنے لگا ۔ میں نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا ، اس پر حضرت انس رضؓ نے وہی فرمایا جو اوپر کی روایت میں ہے

" خلافتِ معاویہ و یزید " کے مؤلف نے دو دعوے کئے تھے ایک یہ کہ ابنِ سعد نے قافلۂ حسینی رضؓ پر خود حملہ نہیں کیا خود قافلے کی طرف سے اچانک حملہ ہوا جس کا نتیجہ کشت و خون ہوا ، کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک نعشِ اقدس سے جدا نہیں کیا گیا ، یہ دونوں دعوے جھوٹے ثابت ہوئے کیا اس کے بعد بھی کسی کو اس میں شک باقی رہ جاتا ہے کہ " خلافتِ معاویہ و یزید " اس دنیا کی سب سے جھوٹی کتاب ہے ، اور اس کی ایک بات بھی قابلِ اعتماد نہیں ؟

مدعی سست گواہ چست

ابنِ زیاد کی وکالت اور صفائی پیش کرتے کرتے عباسی صاحب کا قلم نہ صرف گھس گیا بلکہ ٹوٹ گیا ، لیکن ان کی پوزیشن بالکل مدعی سست اور گواہ چست کی ہے ، دیکھئے خود ابن سعد کیا کہتا ہے ؟ عباسی صاحب کے مانے ہوئے مورخ علامہ دینوری " اخبار الطوال " میں لکھتے ہیں ۔ کہ حمید بن مسلم عمر بن سعد کا دوست تھا ، ابنِ سعد میدانِ کربلا سے واپس گیا تو حمید بن مسلم اس سے ملا ، اور اس کی حالت پوچھی ۔ ابن سعد نے جواب دیا ۔

لا تسأل عن حالتي فانه ما رجع غائب الى منزله بشر مما رجعت به قطعت القرابة القريبة وارتكبت الامر العظيم	میرا حال نہ پوچھو ، اپنے گھر سے غائب رہنے والا کوئی شخص اتنی بڑی برائی لیکر گھر واپس نہ ہوا ہوگا جیسی برائی لیکر میں لوٹا ہوں ، میں نے قریب ترین قرابتوں کو کاٹ دیا اور ایک امرِ عظیم کا مرتکب ہوا ہوں

سنا آپ نے ؟ ابن سعد کی اہلبیت اطہار رضؓ کے ساتھ جن قریبی قرابتوں کو بیان کر کے عباسی صاحب نے ابن سعد کی ہمدردی کا انکار کیا ہے ، ابن سعد خود کہتا ہے کہ ہم نے انکو کاٹ دیا !

قاتلینِ امام رضؓ کے متعلق ابنِ عمر رضؓ کا فتویٰ

مؤلف " خلافتِ معاویہ و یزید " نے حضرت امام حسین رضؓ کو خروج سے روکنے والوں میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بار بار ذکر کیا ہے اب آیئے دیکھیں کہ قاتلینِ حضرت امامؓ کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کی رائے کیا ہے ؟ ایک بار ایک عراقی نے حضرت ابن عمر رضؓ سے استفسار کیا کہ جو شخص حالتِ

احرام میں مکھی مار ڈالے اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔

اھل العراق یسئلون عن الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما ریحانی من الدنیا (مشکوٰۃ بخاری)

اہل عراق مکھی کے مارنے کے بارے میں تو مجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ حضور نے انکے متعلق فرمایا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ دنیا میں میرے دو خوشبودار پھول ہیں

اگر حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک حضرت امامؓ ناحق پر ہوتے اور یزید حق پر ہوتا تو آپ اہل عراق کے متعلق اس طرح ہرگز نہ فرماتے، اور واضح رہے کہ ابن سعد بھی کوفی تھا جو حکومت و دربار کی خاطر مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ میں آ بسا تھا،

حضرت امامؓ کی واپسی کی تیسری شرط

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد کے سامنے اپنی واپسی کی تین شرطیں پیش کی تھیں، ان میں سے تیسری شرط کے متعلق مؤلف "خلافتِ معاویہ و یزید" نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت امامؓ نے فرمایا "مجھ کو یزید کے پاس چلے جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں یا اس سے بیعت کر لوں۔" (ص۱۷۱) ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت امامؓ کی تیسری شرط میں بیعت کا کوئی ذکر نہ تھا، اور نہ ہو سکتا تھا، یہاں ہم خود یزید کا ایک بیان پیش کر رہے ہیں، جو علامہ ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ میں ہے۔ "ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ یونس بن حبیب جرمی نے ان سے بیان کیا کہ جب ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر کے ان کے سر یزید کے پاس بھیجے تو پہلے تو وہ خوش ہوا اور اس کے نزدیک ابن زیاد کی قدر و منزلت بڑھ گئی مگر تھوڑا ہی دیر کے بعد اسے ندامت محسوس ہوئی کہنے لگا۔

وما کان علیّ لو احتملت الاذیٰ وانزلتہ فی داری وحکمتہ فیما یرید وان کان علیّ فی ذلک وکف ووھن

میرا کیا بگڑ جاتا اگر میں تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لیتا حسینؓ کو اپنے مکان میں اتارتا اور جو وہ چاہتے اس کے متعلق فیصلہ کر دیتا، اگرچہ اس سے میرے

في سلطاني حفظاً لرسول الله صلى الله عليه وسلم ورعاية لحقه وقرابته ثم يقول لعن الله ابن مرجانة فانه اخرجه و اضطره وقد كان سأله ان يخلي سبيله او يأتيني او يكون بثغر من ثغور المسلمين حتى توفاه الله فلم يفعل بل ابى عليه وقتله فبغضني بقتله الى المسلمين وزرع لي في قلوبهم العداوة فابغضني البر والفاجر بما استعظم الناس من قتل حسينا مالي ولابن مرجانة قبحه الله وغضب عليه (البداية والنهاية ص ۲۳۲)

معاملے میں کچھ کمزوری واقع ہو جاتی اور میرے وقار میں کچھ ضعف پیدا ہو جاتا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظِ احترام آپکے حق وقرابت کی رعایت سے مجھے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا، اسکے بعد یزید نے کہا۔ اللہ کی لعنت ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر کہ اس نے حسینؓ کو نکالا، اور انکو مضطر کر دیا، حالانکہ انہوں نے اس سے کہا کہ وہ ان کا راستہ چھوڑ دے، کہ وہ یا تو میرے پاس چلے آئیں یا مسلمانوں کی کسی کی سرحد میں چلے جائیں اور مرتے دم تک وہیں رہیں، مگر ابن زیاد نے ان کے کہنے کے مطابق نہ کیا، بلکہ انکار کر کے قتل کر دیا، اور ان کے قتل کے باعث مسلمانوں کے نزدیک مجھے مبغوض بنا دیا، اور میرے متعلق ان کے دلوں میں عداوت کا بیج بو دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیکو کار اور بدکار ہر ایک کو مجھ سے بغض ہو گیا کیونکہ میری طرف سے حسینؓ کے قتل کو سب نے گناہِ عظیم قرار دیا، ابن مرجانہ سے مجھے کیا سروکار، خدا اس کا برا کرے، اور اس پر اپنا غضب نازل فرمائے۔" (انقلاب ۳۰ نومبر ۵۹ء)

آپنے سن لیا یزید کے بیان کو، حضرت امامؓ کی بیعت کیلئے کوئی اشارہ تک نہیں ہے، ورنہ ایسے موقع پر یزید اسے خصوصیت کیساتھ بیان کرتا، عباسی صاحب کی بیان کردہ شرط کے غلط ہونے کا یہ سب سے بڑا ثبوت ہے،

مقتل کربلا کا ہولناک منظر
عباسی صاحب کی ایک اور عیاری

عباسی صاحب کی ایک اور عیاری دیکھئے، یہ ثابت کرتے ہوئے کہ حادثہ کربلا کی کوئی اہمیت نہیں وہ ایک معمولی سا واقعہ تھا، لکھتے ہیں،

"طبری و دیگر مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ حادثہ کربلا بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر قیلولہ کرنے میں آنکھ جھپک جائے۔" (ص ۲۲۳)

یہ مؤرخین کا پورا بیان نہیں ہے بلکہ بیان کا آخری ٹکڑا ہے۔ دوسری تفصیلات کے ساتھ ہم ذیل میں علامہ ابوحنیفہ دینوری کی اخبار الطوال سے پورا بیان نقل کرتے ہیں "سانحہ کربلا کے بعد ابن زیاد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی ملقب بہ زین العابدینؒ اور خواتینِ اہلبیت کو کوفہ سے دمشق روانہ کیا اس مظلوم قافلے کے نگراں زہیر بن قین، محضن بن ثعلبہ اور شمر بن الجوشن تھے، یہ سب یزید کے دربار میں باریاب ہوئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بھی ساتھ تھا، جو یزید کے سامنے ڈال دیا گیا، شمر نے سر مبارک کی جانب اشارہ کرکے اپنا کارنامہ اس طرح پیش کیا۔

یا امیر المومنین! ورد علینا ھذا فی ثمانیۃ عشر رجلا من اھل بیتہ و ستین رجلا من شیعتہ فسرنا الیھم فسألناھم النزول علی حکم امیرنا عبید اللہ ابن زیاد او القتال فغدونا علیھم عند شروق الشمس فأحطنا بھم من کل جانب فلما اخذت السیوف منھم ماخذھا جعلوا یلوذون الی غیر وزر لوذان الحمام من الصقور فما کان الا مقدار جزر جزور او نوم قائل حتی اتینا علی آخرھم فھاتیک اجسادھم مجردۃ وثیابھم مرملۃ وخدودھم معفرۃ تسفی علیھم الریاح زوارھم العقاب ووفودھم الرخم ——— ص ۲۵۷ و ص ۲۵۸

امیر المومنین! یہ شخص اپنے اٹھارہ اہلبیت اور اپنے ساٹھ پیروں کے ساتھ ہمارے مقابل اترا چنانچہ ہم بھی اس کی طرف کوچ کیا، اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ہمارے امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دے، یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائے (چونکہ وہ اس پر تیار نہیں ہوا اسلئے) صبح سورج نکلتے ہی ہم نے ہر طرف سے ان پر دھاوا کر دیا، اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا، پھر جیسے ہی ہماری تلواروں نے ان سے اپنی جگہ لینی شروع کی وہ اس طرح بے پناہ کی پناہ ڈھونڈنے میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے جیسے باز کے حملے سے کبوتر پناہ ڈھونڈتے ہیں مختصر یہ کہ صرف اتنی دیر لگی کہ موچی جوتا درست کرے، یا قیلولہ کرنے والا ایک نیند لے کہ ہم نے ان کا خاتمہ کر ڈالا، اب یہ دیکھئے یہ ان کے برہنہ جسم ہیں، ریگ میں اٹے ہوئے ان کے لباس ہیں گرد آلود انکے چہرے ہیں ان پر ہوائیں چل رہی ہیں، ان کے زائر عقاب اور انکے پاس آنیوالے رخم (گدھ) ہیں۔

شمر نے اس حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے ذرا اس کا تصور کیجئے۔ آہ! بھوکے پیاسے اہلبیتِ رسول پر چاروں طرف سے یزیدی بھیڑیے ٹوٹ پڑے ہیں، ان کے نوخیز و نوجوان اس طرح پناہ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں جس طرح باز کے حملے سے کبوتر، لیکن ان کو کہیں جائے پناہ نہیں ملتی، آہ یہ کس رسولؐ کے جگر پاروں کا حال تھا جو دنیا کے ہر بے پناہ کو پناہ دیتا تھا، یہ سیدہ فاطمہ زہراؑ کے دلبند و جگر پیوند تھے۔ اے زمین ان کی بیکسی پر تیرا سینہ شق نہ ہوگیا؟ اے آسمان تو ان کی مظلومیت پر پارہ پارہ نہ ہوگیا؟ — ہاں ایسا نہیں ہوا کہ اس کیلئے خدا ہی نے ایکدن مقرر کردیا ہے، اور ہاں اس لئے بھی کہ دنیا کو ایک ایسے اسوہ کی ضرورت تھی کہ مردانِ حق بے یار و مددگار، بے ساز و برگ بیکس و بے بس ہوتے ہوئے بھی سب کچھ برداشت کرلیتے ہیں، ذبح ہوجانا، ٹکڑے ٹکڑے اڑجانا، خانہ ویراں ہوجانا، لیکن جادۂ حق و استقامت سے بال برابر بھی ہٹنا گوارا نہیں کرتے، انھیں کا خون ہے چہرۂ انسانیت کا غازہ، یہی ہیں حق و صداقت کے علمبردار، یہی ہیں خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر حق و صداقت کے چہرے کو نکھارنے والے، یہی ہیں انسانیت کبریٰ کے سر کے تاج افتخار! ان کے نام سے ہی انسانی مجد و شرف زندہ ہے، یہی ہیں عظمتِ آدم کے امین اور ابد کے محافظ و نگہبان! ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مقتلِ کربلا و حرہ

کربلا اور حرہ ہی میں نہیں مکہ معظمہ میں بھی یزیدی شقیوں اور درندوں نے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ جس بربریت و شقاوت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اسکی صحیح و مستند تفصیل "مقتلِ کربلا و حرہ" میں ملے گی۔ (زیر طبع)

نبوی میں تشریف لے گئے اور صحابۂ کرام رضؓ کی موجودگی میں حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ اگر آپ خود خلیفہ بننا پسند کریں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ ان حضرات نے جواب دیا نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ یہ کہہ کر حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ الہ آباد۔ تذکرہ خلافت حضرت علی رضؓ)

علامہ ابن خلدون نے بیعتِ خلافتِ مرتضوی کی مزید تفصیلات بھی بیان کی ہیں جو ہماری کتاب خلافت حضرت علی رضؓ اور امیر معاویہ رضؓ میں آپ کو ملیں گی۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ "حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد تین روز تک مسندِ خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی رضؓ کے خلافت قبول کرنے پر بہت اصرار کیا۔ انھوں نے پہلے تو اس بارِ گراں کے اٹھانے سے انکار کیا۔ لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اس بارِ عظیم کو اٹھانا پڑا" (خلفائے راشدین شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڈھ تذکرہ حضرت علی)

مسئلہ خلافت پر حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی ہی محققانہ اور بصیرت افروز بحث و تحقیق فرمائی ہے، اس کی روشنی میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے متعلق جو دھند اور تاریکی پھیلی ہوئی ہے یا پھیلائی گئی ہے وہ سب اس طرح دور ہو جاتی ہے جیسے آفتاب نکلنے کے بعد ہر طرح کی دھند اور تاریکی روشنی سے بدل جاتی ہے۔ حضرت شہید نے خلافت راشدہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک خلافت منتظمہ اور دوسری خلافت غیر منتظمہ، خلافتِ منتظمہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اہلِ زمانہ کی سعادت اس بات میں ہے کہ پوری امت مسلمہ کامل اتفاق سے خلافت راشدہ کو قبول کرنے اور خلیفۂ راشدہ کے اقتدار کو دل و جان سے قبول کرے، اگر اس طرح

خلافتِ راشدہ کا نظم و ضبط قائم ہو جائے تو سیاستِ ایمانی کے معاملات صحیح طور پر تکمیل پذیر ہو سکتے ہیں۔ ایسی خلافت کو خلافتِ منتظمہ کہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات زمانہ کے حالات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ خلیفۂ راشد بروئے کار آجاتا ہے اور خلافت کے قیام و حفاظت کے لئے سر توڑ کوشش بھی کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے جمہور اہل اسلام کی آراء کسی طرح ایک نقطہ پر مرتکز نہیں ہو پاتیں۔ یعنی پوری امت کی ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی۔ پس خلافت کی اس صورت کو خلیفۂ راشد کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی ساری سعیٔ قیامِ خلافت کے باوجود نظمِ خلافت کی ہمواری حاصل نہیں ہوتی۔ خلافتِ غیر منتظمہ کہتے ہیں۔ اس طرح خلافت راشدہ کی دو قسمیں ہوگئیں، اول خلافت منتظمہ جیسے خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی خلافت، دوم خلافتِ غیر منتظمہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت۔

دوسری قسم کی خلافت کی صورت میں خلیفۂ راشد کے ہوتے ہوئے شیرازۂ خلافت میں جو پراگندگی پائی جاتی ہے وہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے کچھ ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے کسی رسول ؑ کی دعوتِ حق کے باوجود لوگوں میں ہدایت کا ظہور نہ ہو، یا کم ہو، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا معاملہ لیجیئے کہ سالہاسال کی سعیٔ ہدایت کے باوجود تھوڑے سے نفوس کے علاوہ کسی نے ان کی دعوت قبول نہیں کی۔ لیکن لوگوں کے دعوت قبول نہ کرنے سے حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح اگر لوگ خلافت پر متفق نہ ہو سکیں تو اس سے خلیفۂ راشد کی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ پس خلافتِ غیر منتظمہ کو خلیفۂ راشد کی موجودگی کے پہلو سے دیکھا جائے تو وہ خلافتِ راشدہ ہے لیکن اگر اہلِ اسلام کے غیر متحد و غیر منظم ہونے کا پہلو سامنے رکھا جائے تو وہ خلافت راشدہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ پیشنگوئی جو حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ میں وارد ہے پہلے نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ (یعنی جب خلیفۂ راشد

موجود ہے تو وہ خلافت خلافتِ راشدہ ہے اور اس مدت میں حضرت علی کی خلافت شامل ہے)
اور دوسری طرف جو احادیث حضرت ذی النورین رضؓ پر خلافت کے ختم ہو جانے کی خبر دیتی ہیں وہ
دوسرے نقطۂ نظر کی مانتے ہیں۔ = (ماخوذ از منصبِ امامت)

اکابر صحابہ کے اختلاف کی حقیقت

اکابرِ صحابہ میں سے جن حضرات نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کیا تھا ان میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اور مولانا عامر عثمانی نے حضرت امیر معاویہ رضؓ کے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کرنے کے جواز میں انھیں حضرات کے اختلاف کو بطور دلیل پیش کیا ہے، چنانچہ مولانا عثمانی لکھتے ہیں۔

"حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ انھوں نے نہ صرف اطاعتِ علیؓ سے گریز کیا تھا بلکہ کی کرائی بیعت کو اس دلیل سے توڑ ڈالا تھا کہ یہ تلوار کی نوک پر لی گئی تھی۔ ٹھوس آئینی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو یہ جرم جرمِ معاویہ سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ معاویہ نے کم سے کم بیعت تو نہیں کی تھی، اور اس طرح وہ عہد شکنی کے مستزاد جرم سے بچ گئے تھے......"

اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:۔

"ام المومنین حضرت عائشہ کو بھی آپ دائرۂ نفرت و حقارت سے خارج نہیں کر سکتے، کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ بھی ایک غیر آئینی فوج کشی کی مرتکب ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی فوجی اقدام کیا تھا۔ اور انجام چاہے کچھ رہا ہو......" (تجلی دسمبر ۱۹۵۸ء) ـــ مولانا عثمانی نے اپنے نزدیک قلم نہیں چلایا ہے تلوار چلائی ہے اور اس تصور میں گویا وہ بھی جنگ صفین میں

حضرت امیر معاویہ رضؓ کے ایک جنرل ہوں۔

اگر مولانا عثمانی کی طرح کوئی شخص صحابۂ کرام کی عقیدت و احترام سے آزاد ہو جائے اور جس بے باکی سے انھوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلاف خامہ فرسائی کی ہے ان کو جواب دینا چاہے تو مولانا عثمانی بلبلا اٹھیں لیکن بحمد للہ کہ ہم مولانا عثمانی کی طرح کسی عصبیتی دورے میں مبتلا نہیں، اور نہ ہم سلامت پسندی کے ساتھ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ ہم بڑی نرمی سے صرف اتنا کہیں گے علم و تحقیق کے بلند بانگ دعوی کے باوجود مولانا عثمانی کی نظر حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے آغاز ہی پر ہے۔ انجام پر نہیں؟ ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ان بزرگوں اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف میں کیا فرق ہے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرات زبیرؓ و حضرت صدیقہؓ نے حق پرستی کا وہ ثبوت دیا جس کی مثال سے قوموں کی تاریخ یکسر خالی ہے۔ افسوس کہ حضرت معاویہؓ کے طرزِ عمل میں یہ چیز ڈھونڈے نہیں ملتی۔

مولانا عثمانی کا رزم نامہ تو یہ ہے جس کی ایک جھلک اوپر دیکھی گئی۔ عباسی صاحب نے اپنے اسلوب کے مطابق ایسے سنجیدہ انداز میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا بیان لکھا ہے کہ پڑھنے والا پڑھتا چلا جائے اور اس کے ذہن میں یہ بات جمتی چلی جائے کہ حضرت علیؓ میں نہ علم تھا اور نہ دانش تھی۔ وہ محض ایک بے مغز انسان تھے جو مفسد اور اسلام دشمن سبائیوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن کر رہ گئے تھے؛ ان کے اعزہ و اقربا اور بہی خواہ ان کو سمجھاتے بھی تھے تو ان کی سمجھ میں کسی کی بات نہ آتی تھی۔ سبائی جس طرح اشارہ کرتے تھے حضرت علیؓ اسی طرح نقل و حرکت کرتے تھے۔ چنانچہ سبائیوں ہی نے کشاں کشاں حضرت علیؓ کو میدان جنگ میں لے جا کھڑا کر دیا۔

عباسی صاحب نے جنگ جمل کی تصویر کو ایسی دھندلی پیش کی ہے کہ۔ ع

پتہ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(21)

یہ اس لئے کہ اس جنگ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو کامل فتح حاصل ہوئی تھی اور اس جنگ میں فریق مخالف کے تینوں سرکردہ راہنماؤں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے برسر میدان جنگ اس کا اعتراف کیا تھا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں اور وہ ناحق پر، اور بعد اختتام جنگ یہی اعتراف حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا تھا۔ اس کی قدرے تفصیل موقع پر آگے آئے گی۔

عباسی صاحب نے اپنے قارئین کو جنگ جمل تک لیجانے کے لئے اس طرح راستہ ہموار کیا ہے۔

۱۔ "حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہیں ہوئی۔ کیونکہ اہل حل وعقد نے ان سے بیعت نہیں کی" (ص ۲)

یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے؟ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اسی سے عباسی صاحب کی تحقیق کی حقیقت کا اندازہ کرلینا چاہئے۔

۲۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے پر قادر تھے، مگر انھوں نے نہیں لیا۔ (ص ۳)

اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ ہم نے "خلافت حضرت علی اور معاویہ" میں لکھا ہے، یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر یہ الزام کسی طرح صحیح نہیں ہے، ہماری مختصر دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ خود خلیفہ تھے، ان کی خلافت بارہ برس کی مستحکم خلافت تھی۔ خلافت اسلامیہ کے تمام امراء حضرت عثمانؓ کے مطیع و منقاد تھے۔ خود دار الخلافہ کے مہاجرین و انصار باہم متحد اور حضرت عثمانؓ کے حامی و مددگار تھے۔ جن میں وہ حضرات بھی داخل تھے جو مطالبۂ قصاص کے علمبردار تھے ان تمام حالات کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ اپنی حفاظت پر قادر ہو سکے اور نہ وہ طاقتیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تو حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی آپ کو وہ کون سی مافوق الفطرت طاقت حاصل ہو گئی کہ وہ قصاص لینے پر قادر ہو گئے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ حضرت معاویہؓ شام میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہے تھے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور ام المومنین صدیقہؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں مدینہ پر فوج کشی کے لئے مکہ میں تیاریاں کر رہی تھیں؟ وہ طالبین قصاص کا

حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ کہ آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لے لیں تو ہم آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں، اس مطالبہ کی حقیقت کیا تھی؟ بیعت سے انکار کا ایک قانونی طریقہ۔ ورنہ طالبین قصاص خود جانتے تھے کہ یہ ایک کھلا ہوا ناقابلِ عمل مطالبہ تھا۔ جنگِ صفین کے دوران ایک بار طرفین میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا تو بیس ہزار عراقیوں نے بیک زبان نعرہ لگایا، ہم عثمان کے قاتل ہیں۔

(سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۴۹)

۳۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ اسلامی مملکت میں توسیع ہوئی۔ اس کے برعکس خلافت کوفہ اور اس کے حوالی میں محدود ہو کر رہ گئی۔ (صہ ۴)

عباسی صاحب نے اس محل پر یہ کتنی بے تکی بات لکھدی ہے، حضرت علیؓ کو اندرونی بغاوت و معرکہ آرائی سے اس کا موقع ہی کہاں دیا گیا کہ وہ کفار سے جہاد کریں؟ اگر خلافت مرتضوی کوفہ اور اس کے حوالی تک محدود ہو گئی تو کافروں نے مملکتِ اسلامیہ پر حملے کئے تھے جن سے آپ اسلامی مملکت کو بچا نہ سکے؟ یہ بھی عباسی صاحب کا مغالطہ ہے۔ شاہ صاحب کے صافی نمائندے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے علاقے شورش ...

۴۔ طالبینِ قصاص کے بصرہ کی طرف روانگی کی خبر سنکر حضرت علیؓ ان کے مقابلے کیلئے مدینہ سے نکلنا غلط تھا۔ اس اقدام سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور خود حضرت حسنؓ نے آپ کو روکنا چاہا مگر آپ نہ رکے۔ (صہ ۵۵)

عباسی صاحب نے بالکل نہیں بتایا کہ بصرہ کی طرف روانہ ہونے والے کون لوگ تھے۔ اور بصرہ میں ہوا کیا؟ بصرہ کی طرف روانہ ہونے والا وہی لشکر تھا جو حضرت ام المومنین کی قیادت میں خلافت مرتضوی پر حملہ کرنے کے لئے نکلا تھا اور جسکی جنگ کا نام جمل ہے۔ ایسی فوج کے مقابلے کے لئے حضرت علیؓ کا مدینہ سے نکلنا کس دلیل سے غلط تھا۔؟

یہ نقشہ تو ہے عباسی صاحب کے جنگِ جمل کا۔

جنگ صفین کے متعلق انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں حسب ذیل اشارے کیے ہیں۔

۱۔ اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں شروع ہونے لگیں، سبائیوں کی من مانی حرکات کو دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ (صہ) [له]

۲۔ حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی اور بزرگِ خاندان تھے۔ وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم و طالب قصاص تھے چلے گئے اور صفین کے میدان میں ان ہی کے کیمپ میں موجود رہے۔ (صہ)

جواب لکھنا ہے

کس کے بعض عزیز کس سے بیزار نہیں ہوتے۔ سب کی مصلحتیں جدا جدا ہوتی ہیں آج بھی جدا جدا ہوتی ہے۔ رہے حضرت عقیل تو وہ عمر میں بڑے تھے مگر اسلام میں کون بڑا تھا حضرت علیؓ جو دعوت اسلامی کے اول ہی دن مسلمان ہو گئے۔ حضرت عقیل اس وقت بھی آپ کے بڑے بھائی اور اسلام سے الگ تھے۔ آج وہ حضرت معاویہ کے کیمپ میں تھے تو یہ کون سی بڑی بات تھی؟

۳۔ بصرہ کے بیت المال میں ساٹھ ہزار کی رقم تھی وہ فوجیوں میں تقسیم کر دی گئی ہر ایک کے حصے میں پانچ پانچسو کی رقم آئی اور اعلان کر دیا گیا کہ اہل شام پر فتح حاصل ہوئی تو اتنی ہی اتنی رقم اور ملے گی۔

۴۔ عمار ہبیرہ تمیمی پانچسو کی رقم کے لالچ میں جنگ صفین میں شریک ہوا اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ اور کوفہ چلا گیا۔

۵۔ اہل شام کو خبر ہوئی کہ بہت سے لوگ پانچ پانچسو رقم کے لالچ میں فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں تو انھوں نے عراقیوں سے کہا۔ تم اس سرزمین پر ایسے چھوکروں کے ساتھ کیوں آئے ہو تمہارے لئے سوائے تھپڑوں کے وہ پانچسو نہیں ہو سکتے۔

اگر ہم عباسی صاحب کے نمبر ۳ تا ۵ کا جواب لکھیں تو بتا سکتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ

له لیکن ممتاز صحابہؓ کے سوا تمام اہل مدینہ حضرت علیؓ کے ہم رکاب تھے۔ (خلفائے راشدین صہ)

گئے گرد جتنے نامور اور ممتاز لوگ جمع تھے سب سے عہدے اور حکومت کے وعدے تھے۔ اور
علاوہ دمشق کے لئے شاہی خزانہ ہر وقت وقف رہتا تھا۔ ہماری کتاب "خلافت حضرت علی اور امیر
معاویہؓ" میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

۶۔ بے موقع جنگ جمل و صفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے صورتِ حال حد درجہ
مسخ کر کے پیش کی ہے، اور سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کی ہے اس لئے اشارۃً
یہ چند فقرے لکھے گئے۔ (ص۱۰)

کچھ مضائقہ نہیں اگر عباسی صاحب نے جنگ جمل اور جنگِ صفین کی تفصیل نہیں دی،
ان کے لئے تفصیل کار آمد تھی بھی نہیں۔ ان کی یہ کمی بقدر ضرورت ہم پوری کر دیتے ہیں۔
ان اشاروں کے ذریعہ عباسی صاحب کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں
روپے پیسے کے لالچیوں کے سوا کوئی مخلص آدمی تھا ہی نہیں، اور حضرت علیؓ تھے کہ ایسے ذلیل
لوگوں کے آلۂ کار بن گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے بڑے بھائی اور بزرگ خاندان حضرت عقیلؓ
بھی آپ سے برداشتہ خاطر ہو کر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے، اور ان تمام باتوں سے عباسی
صاحب کی غرض قارئین کے دلوں میں یہ بات بٹھانی ہے کہ حضرت علیؓ ناحق پر تھے۔

لیکن حقیقت کیا تھی؟ اور حق کس کے ساتھ تھا؟ حضرت علیؓ کے ساتھ یا حضرت طلحہؓ و
زبیرؓ و حضرت صدیقہؓ اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ؟ اور جب حق کھل کر سامنے آگیا تو حضرت طلحہؓ و
زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے کس طرح حق پرستی کا ثبوت دیا اور حضرت معاویہؓ کا طرز عمل کیا رہا؟

ان سوالات کا تفصیلی جواب تو آپ کو میری کتاب "خلافت حضرت علی اور امیر معاویہؓ" ہی میں ملیگا۔
اس ہم جنگ جمل اور جنگ صفین کا اتنا ہی حصہ پیش کریں گے جس سے روز روشن کی طرح عیاں
ہو جائے گا کہ حق حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھا۔ اور پھر کسی عثمانی اور عباسی کو اس مسئلہ پر قلم

اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوگا۔ پہلے یہ حدیث ملاحظہ کر لیجیے :۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں ۔

كنا نحمل لبنة لبنة وعمار لبنتين لبنتين فرآه النبي صلے اللہ علیہ وسلم فجعل ينفض التراب عنه ويقول ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعون الى النار۔

قال يقول عمار اعوذ بالله من الفتن۔

(بخاری باب التعاون فی بناء المسجد)

(مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر) ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے اور عمار دو دو اینٹیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا تو (فرطِ محبت سے) ان کے غبار جھاڑنے لگے اور فرمانے لگے، ہائے عمار! ان کو باغی گروہ قتل کریگا یہ باغیوں کو جنت کی طرف بلائیں گے اور لوگ ان کو دوزخ کیطرف۔

راوی کا بیان ہے کہ عمار نے (حضور کا یہ ارشاد سنا تو) کہنے لگے میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

جنگ جمل

اس حدیث کو یاد رکھیے اور چلیے میدان جنگ جمل میں، یہ دیکھیے ایک طرف حضرت عائشہ صدیقہ رض کی فوج کھڑی ہے، اسی صف میں حضرت طلحہ رض و زبیر رض بھی سامنے کھڑے ہیں۔ یہ دوسری طرف حضرت علی رض کی فوج ہے، حضرت علی رض گھوڑے پر سوار سب سے آگے نظر آرہے ہیں۔

اس وقت جنگ موقوف ہے۔ حضرت علی رض گھوڑا بڑھاتے ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچ جاتے ہیں، پوچھتے ہیں۔ "کیوں ابو عبداللہ (کنیت حضرت زبیر رض) آپ کو وہ دن یاد ہے جب ہم اور آپ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

سے گذرے اور حضورؐ نے آپ سے پوچھا تھا کیا تم ان سے محبت کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا تھا، ہاں اے اللہ کے رسول! حضورؐ نے فرمایا تھا، لیکن ایک دن تم انھیں سے ناحق پر جنگ کروگے، یہ واقعہ سنکر حضرت زبیرؓ نے جواب دیا۔ ہاں، اب یہ بات مجھے یاد آگئی۔"

حضرت علیؓ یہ گفتگو کرکے اپنی فوج میں واپس چلے گئے اور حضرت زبیرؓ حضرت صدیقہؓ کے پاس آئے، بولے، "میں غلطی پر تھا۔ علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلاکر مجھے میری غلطی پر متنبہ کردیا۔ ام المومنین نے پوچھا۔ پھر کیا ارادہ ہے؟ جواب دیا۔ اب میں اس جھگڑے سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔"

حضرت زبیرؓ کے نامور صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جنھوں نے ایک روز اموی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اپنے والد بزرگوار کو ہر چند روکنے کی کوشش کی مگر آپ پر حق اپنا کام کرچکا تھا، فرمایا، "بیٹے! علیؓ نے وہ بات یاد دلائی کہ جنگ کا تمام جوش سرد پڑ گیا۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سامان بصرہ میں رکھا ہوا تھا، آپ نے فوج سے علیحدہ ہوکر بصرہ کا رخ کیا کہ سامان لے کر حجاز روانہ ہوجائیں، حضرت علیؓ کی فوج کا ایک آدمی عمرو بن جرموز آپ کو پہچانتا تھا مگر آپ اس سے واقف نہ تھے، اس نے آپ کو تنہا دیکھا تو آپ کے ساتھ ہوگیا، راستے میں ظہر کا وقت ہوا خطرے کا زمانہ تھا، حضرت زبیرؓ ابن جرموز کو پہچانتے نہ تھے، اس سے امان کا عہد وپیمان کرکے نماز شروع کی، ابن جرموز بھی شریک نماز تھا، آپ جیسے ہی سجدے میں گئے، بدبخت نے آپ کو شہید کردیا۔ اور آپ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لئے ہوئے خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس پہونچا کہ آپ سے اپنے کارنامہ کی داد لے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ نے حواری رسولؐ کی تلوار دیکھی تو تڑپ اٹھے، اور بڑے درد سے فرمایا "اس تلوار نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ (حضرت زبیرؓ)

کے قاتل! تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔"

مولانا عثمانی اور عباسی صاحب جن حضرات کی مخالفت کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰؓ کے خلاف حضرت معاویہؓ کے طرزِ عمل کو حق بجانب قرار دیتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ حق پر تھے۔ وہ آئیں اور دیکھیں کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کس عظیم الشان کردار کے انسان تھے۔ اور حق پسندی میں ان کا مرتبہ کتنا بلند تھا۔؟

اب آیئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا کردار دیکھیئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ میں جو گفتگو ہوئی تھی، اس کو حضرت زبیرؓ نے حضرت طلحہؓ سے ذکر کیا اور جنگ سے اپنی علیحدگی کا فیصلہ سنایا۔ آپ کے فیصلے نے حضرت طلحہؓ کو بھی برداشتہ خاطر کر دیا۔ اور آپ نے بھی جنگ سے علحدگی کا ارادہ کر لیا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی تیاری تو بڑے زور و شور کے ساتھ کر رہے تھے مگر ابھی تک مقابلے کو نہ نکلے تھے، لیکن خاندان بنو امیہ کا ہیرو مروان جو یزید کے بعد جلد ہی اموی حکومت کا وارث بن گیا حضرت ام المومنین کے ساتھ تھا اس نے حضرت طلحہؓ کا ارادہ متزلزل دیکھا تو آپ کے گھٹنے میں ایک ایسا زہریلا تیر مارا جو آپ کی شہادت ہونے سے پہلے نہ نکل سکا۔ وہ تھا عمرو بن جرموز کا کردار اور یہ ہے عباسی صاحب کے ممدوح حضرت مروان کا کیرکٹر! آپ جانتے ہیں حضرت طلحہؓ کون تھے؟ بشر بالجنۃ، عشرہ مبشرہ کے ایک رکن، جنگ احد کے فدائے رسولؐ، اور ان کا قاتل عباسی صاحب کا ممدوح و محترم! ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

ابتک جو کچھ لکھا گیا اس کا ماخذ مولانا شاہ معین الدین ندوی کی مشہور کتاب "سیر المہاجرین" جلد ۲ ص ۹۱ تذکرۂ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ انھیں مصنف نے حضرت عمارؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے

کہ حضرت زبیرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی فوج میں ہیں تو آپ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آئی جس کو ہم نے اس بحث کے آغاز میں نقل کیا ہے اور جس میں حضورؐ نے خبر دی تھی کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمار اس کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلائے گا۔ اس حدیث کو یاد کر کے بھی آپ بہت متاثر ہوئے اور آپ پر اپنا برسرِ ناحق ہونا واضح ہو گیا (سیر المہاجرین جلد اطہ ۳۴)

مروان حضرت عائشہؓ کے ساتھ رہ کر کیا کیا کاروائیاں کرتا رہتا تھا۔ اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے، آپ نے حضرت طلحہؓ کا حق پرستانہ کردار دیکھ لیا، اب صرف عائشہ صدیقہؓ باقی رہ گئیں ہیں، مختصراً ان کا حال سنئے۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت صدیقہؓ کے دست و بازو تھے، وہ شہید ہو چکے تھے۔ جنگ شروع ہوئی تو اب انھیں کا اونٹ جنگ کا مرکز تھا، بہادرانِ نبو ضبہ حضرت صدیقہؓ کے اونٹ کے گرد پروانہ وار جانیں قربان کر رہے تھے، نبو ضبہ کے کچھ آدمی حضرت علیؓ کی فوج میں بھی تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اگر حضرت صدیقہؓ کا اونٹ اسی طرح میدانِ جنگ میں کھڑا رہا تو ان کے قبیلے کا ایک ایک فرد کٹ مرے گا، چنانچہ اسی قبیلے کے ایک شخص نے اونٹ کے پیچھے جاکر اس کے پاؤں پر ایک ایسی تلوار ماری کہ وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ حضرت صدیقہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ نے بڑھ کر آپ کو سنبھالا، حضرت علیؓ بھی آپ کے پاس پہونچ گئے اور آپ کی خیریت پوچھی، اس کے بعد بصرہ کے ایک رئیس کے یہاں لے جاکر آپ کو اتارا، جو حضرت صدیقہؓ کا حامی تھا۔

حضرت ام المومنین چند روز تک بصرہ میں آرام فرما چکیں تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ آپ کو حجاز روانہ کیا۔ بصرہ کی چالیس خواتین آپ کے جلوس

میں تھیں۔ دور تک حضرت علی رضؓ آپ کو الوداع کہنے گئے۔ حضرت حسین رضؓ نے ایک منزل تک مشایعت کی۔

ام المومنین رضؓ رخصت ہونے لگیں تو شفقتِ مادری کا پیالہ چھلک گیا، فرمایا۔ "میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ ورنہ میرے اور علی رضؓ کے درمیان کوئی جھگڑا نہ تھا"۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے بھی سعادتمندانہ انداز میں ام المومنین رضؓ کی تائید کی، بولے۔ "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ آپ کی تعظیم و توقیر ضروری ہے (یہ تفصیلات "خلفائے راشدین" مولانا معین الدین ندوی سے ماخوذ ہیں۔)

یہ ہے حضرت علی رضؓ سے حضرت صدیقہ رضؓ کے اختلاف و نزاع کی تصویر، ہم نہیں جانتے کہ مولانا عامر عثمانی اور عباسی صاحب کو اس کی خبر ہی نہیں ہے یا حضرت معاویہ رضؓ کی حمایت اور حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کے جوش میں یہ تصویر ان کو نظر نہیں آتی۔ یا پھر انھوں نے بالقصد اس پر پردہ ڈال کر مسلمانوں کو غلط فہمی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بدعقیدتی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے خلاف جو اقدام کیا تھا اس کا آخر حیات تک آپ کو قلق رہا، فرمایا کرتی تھیں "اے کاش! میں درخت ہوتی، اے کاش! میں پتھر ہوتی۔ اے کاش میں روڑا ہوتی، اے کاش! میں نیست و نابود ہوتی"۔

ایک بار قبیلہ ضبہ کا ایک شخص حضرت صدیقہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔ وہ کون تھا جو جنگِ جمل میں یہ رجز پڑھ رہا تھا۔ "یا امنا یا خیر اُم و نعلم" اس نے جواب دیا۔ "میرا بھائی" اس پر آپ اتنا روئیں جیسے آپ کبھی چپ ہی نہ ہوں گی۔

ابن سعد میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضؓ آیہ کریمہ "وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ ــ اے نبی کی بیویو! تم کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں بیٹھی رہو" پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ آنچل تر ہو جاتے، بخاری شریف میں ہے کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے روضۂ نبوی میں دفن نہ کرنا، بقیع میں ازواج کے ساتھ دفن کرنا، میں نے رسول اللہ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔"

یہ دلگداز واقعات سیرت حضرت عائشہ مؤلفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہیں۔

اب ہم قارئین کرام کو جنگ صفین میں لے چلیں اور وہاں کا کردار دکھائیں، اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کتنے کور چشم ہیں جو بصارت و بصیرت کے ادعاء کے باوجود حضرت طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ اور حضرت صدیقہ رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے اختلاف کے فرق کو نہیں دیکھتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکتے ہیں۔

جنگِ صفین

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تو آپ کو یاد ہی ہو گی کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ اس حدیث کا عملی نظارہ یہاں کیجیے۔ ــ یہ صفین کا میدان ہے، حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے۔ وہ دیکھیے حضرت عمار رضؓ کو، اکانوے [91] برس کا سن ہے۔ لیکن حق کی حمایت نے آپ کو شجاعت و بہادری کا پیکر بنا دیا ہے بجلی کی طرح کڑکتے اور رعد کی طرح گرجتے، جس طرف نکل جاتے ہیں صفیں درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ وہ لیجیے حضرت معاویہ رضؓ کے علمبردار حضرت عمرو بن العاص رضؓ سے آپ کا سامنا ہو گیا، گرج کر فرماتے ہیں، میں اسی علمبردار سے (اس کے زمانۂ کفر میں) تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں۔ اب یہ چوتھی بار ہے، خدا کی قسم اگر یہ لوگ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق

[1] یہاں ام المومنین ام سلمہ رضؓ کی نصیحت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو یہی باتیں لکھی تھیں وہ حضرت علی رضؓ کی حامی تھیں اور اپنے چچیرے بھائی کو ان کے ساتھ کر دیا تھا، ("زندگی" رام پور ستمبر ۵۹ء)

پر ہیں۔ (ماخوذ از ترجمہ تاریخ ابن خلدون)

شام کا وقت ہے، آفتاب غروب ہو چکا ہے، پھر بھی جنگ شباب پر ہے، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے اتار کر فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے، یہ فرما کر آپ فوجِ مقابل میں گھس گئے، آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ "میں آج اپنے دوستوں سے ملوں گا" "آج میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا" آپ کے جوش کا یہ عالم ہے کہ جس طرف ٹوٹتے ہیں صف کی صف زیروزبر ہو جاتی ہے اور جس پر آپ کی تلوار پڑتی ہے۔ وہ ڈھیر ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کی صف میں وہ لوگ موجود ہیں جو حضرت عمارؓ کے متعلق حضورؐ کی حدیث سے واقف ہیں وہ آپ کے مقابلے میں آنے سے بچتے ہیں۔ لیکن ابن الغادیہ جو آپ کے مرتبہ سے واقف نہیں نیزہ مار کر آپ کو گرا دیتا ہے اور دوسرا شامی شقی آپ کو شہید کر دیتا ہے۔

اب دونوں بدبخت اپنی اپنی کارگذاری کا صلہ لینے کے لئے حضرت معاویہؓ کی خدمت میں پہونچتے ہیں اور دونوں کا دعویٰ ہے کہ وہی حضرت عمارؓ کا قاتل ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھی حضورؐ کی حدیث معلوم ہے، فرماتے ہیں "خدا کی قسم! دونوں جہنم کے لئے لڑ رہے ہیں"

امیر معاویہؓ برہم ہو کر کہتے ہیں۔ "عمرو! تمہارا یہ کیا حال ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے جانیں قربان کر رہے ہیں تم ان کے متعلق ایسی بات کہہ رہے ہو؟

حضرت عمرو بن العاصؓ بڑی عبرت کے ساتھ کہتے ہیں ۔۔ "کاش! آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آجاتی"

حضرت عمارؓ کی شہادت نے آپ کو ایسا متاثر کیا کہ آپ جنگ سے کنارہ کشی کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے تسلی دی کہ "عمارؓ کے قاتل ہم نہیں بلکہ وہ گروہ ہے جو انکو میدان جنگ میں لایا"۔ قاتلینِ عمارؓ کے متعلق تقریباً یہی بات حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے بھی کہی جیسے حضرت معاویہؓ نے بہت برا مانا ہے۔

دیکھا آپ نے سربر آوردگانِ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے کردار کا فرق ہے۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سامنے آتے ہی حضرت صدیقہؓ کے دونوں بازو حضرت طلحہؓ و زبیرؓ ان سے جدا ہوگئے اور حضرت صدیقہؓ تھیں کہ ان کو روکنے کے لئے زبان کو جنبش تک نہ دی، خود آخرِ حیات تک ان کا کیا حال رہا؟ اور جنگِ صفین میں حدیثِ نبوی کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگ جمل میں بھی موجود تھے اور صفین میں بھی مگر انھوں نے ابتداء کسی طرف سے تلوار بے نیام نہیں کی تھی۔ حضرت عمارؓ کی شہادت نے ان کو حمایت حق کے لئے سبیل اختیار کر دیا۔ اور حضرت عمارؓ کے نقشِ قدم پر چل کر شہید ہوگئے۔ اسیطرح اور کتنے محتاط صحابہؓ جو اب تک غیر جانبدار تھے حضرت علیؓ کی صف میں شامل ہوگئے، (یہ تفصیلات سیر المہاجرین تذکرہ حضرت عمارؓ سے ماخوذ ہیں) ۔۔ ہمارا مقصد جنگ جمل اور جنگ صفین کی تاریخ لکھنا نہیں، ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ آیا مولانا عثمانی اور عباسی صاحب کے دعوی کے مطابق حق حضرت علی مرتضیؓ کے ساتھ تھا یا ان حضرات کے ساتھ جنھوں نے آپ سے اختلاف کیا تھا؟ اس بحث کا فیصلہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں اور ان سے متعلق واقعات نے کر دیا۔

مولانا عثمانی نے حضرت معاویہؓ کی معزولی سے متعلق حضرت علیؓ کے حکم کو ناجائز اور خلاف حق و انصاف اور حضرت معاویہؓ کی نافرمانی کو عین جائز اور حق ثابت کرتے ہوئے

لے (سیر المہاجرین جلد ا ص ۲۳۹)

دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لئے کوئی ایسی عدالت موجود نہ تھی جس میں وہ حضرت علیؓ کے حکم کے خلاف اپنے حق کا دعویٰ کرتے، لہٰذا ان کو تلوار کو جج بنانا پڑا اور تلوار نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (ملخصاً تجلی ستمبر ۱۹۵۸ء)

عباسی صاحب نے بھی صفحہ ۹ پر یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے، عباسی صاحب تو خیر لیکن مولانا عثمانی کی حق پسندی کے متعلق مجھے بڑا حسن ظن تھا۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مسئلے میں انھوں نے میرے حسن ظن کو پاش پاش کر دیا۔ میں اس سے بشدت پرہیز کر رہا ہوں کہ میری طرف سے کسی صحابی کی شان کے خلاف کوئی لفظ نہ نکلے۔ میں صرف نقل واقعات پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اس لئے میں خود کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ آپ تاریخ سے پوچھئے، جنگ صفین کا فیصلہ تلوار نے کیا یا مکر و فریب نے؟ تلواروں کا تو یہ حال تھا کہ ایک بار حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے سامنے آگئے، آپ نے فرمایا۔ معاویہؓ! کیوں مسلمانوں کا ناحق خون بہا رہے ہو آؤ ہم تم لڑ کر فیصلہ کر لیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بھی حضرت معاویہؓ کے پہلو میں موجود تھے، بولے بات انصاف کی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "خوب! کیا انصاف ہے، تم جانتے ہو کہ جو کوئی اس شخص کے مقابلے میں جاتا ہے بچ کر واپس نہیں آتا؟" حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا۔ جو بھی ہو اب ہمیں مقابلے کے لئے نکلنا چاہئے۔ حضرت امیر معاویہؓ بولے "تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرا کے میرے منصب پر قبضہ کر لو" امیر معاویہؓ نے اعتراض کیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے خود آگے بڑھ کر حضرت علیؓ کو مقابلہ کے لئے للکارا، شیر خدا نے بڑھ کر لبیک کہا۔ دیر تک دونوں آدمیوں میں تلواریں چلتی رہیں، ایک بار حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ حضرت عمرو بن العاص بدحواس ہو کر گھوڑے سے گر پڑے، قریب تھا کہ شمشیر حیدری ان کا فیصلہ کر دے، لیکن اسی حالت میں انھوں نے اپنے کو برہنہ کر دیا،

خدا کے شیر اور انسانیت کے پیکر نے حضرت عمرو بن العاص کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی صف میں واپس چلے آئے۔ (خلفائے راشدین ص۲۵۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار مالک اشتر بے پناہ لڑنے والے تھے، ان کی شجاعت و بہادری کا حال دیکھنا ہو تو تاریخ ابن خلدون دیکھیے۔ جو عباسی صاحب کی مانی ہوئی معتبر تاریخ ہے،۔ جب ان کے مسلسل حملوں سے حضرت معاویہ رضی کو اندیشہ ہوا کہ شامی فوج کے قدم اکھڑ جائیں گے تو انھوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی سے جو ان کے پہلو میں موجود تھے۔ کہا۔ اب کیا کیا جائے؟ انھوں نے کہا۔ گھرائیے نہیں، ایسے وقت کے لئے میں نے پہلے ہی سے اسکیم سوچ رکھی ہے۔ اور تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب انھوں نے شامی فوج کی حالت ابتر دیکھی تو امیر معاویہ رضی سے کہا۔ میدان ہاتھ سے نکلا چاہتا ہے، لوگوں سے کہو کہ نیزوں پر قرآن اٹھالیں اور نعرہ لگانا شروع کریں۔

"ھذا الکتاب اللہ بیننا وبینکم" یہ خدا کی کتاب ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان (حَکَم) ہے اگر یہ نعرہ کامیاب ہوگیا تو فوج مقابل میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا اور شامی فوج تباہی سے بچ جائے گی۔

چنانچہ اس تجویز پر اس شان سے عمل ہوا کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر آگے آگے تھا اور اس کے پیچھے سیکڑوں قرآن مجید نیزوں پر بلند تھے اور شامی "ھذا الکتاب اللہ بیننا وبینکم" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کا تیر نشانے پر بیٹھا، حضرت علی رضی کی فوج کے فتنہ پسند اور سرکش طبقہ نے اس نعرے کو قبول کر لیا اور عین ایسی حالت میں کہ مالک اشتر کے مسلسل بے پناہ حملوں سے شامی فوج کی شکست چند گھنٹوں کی بات تھی۔ اپنی ہی فوج کے سرکش اور ناہنجار طبقے کی سرکشی اور ضد سے حضرت علی رضی مالک اشتر کو میدان جنگ سے واپس

پر مجبور ہو گئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آج امتِ مسلمہ کی تاریخ ہی دوسری ہوتی۔[1] (ترجمہ ابن خلدون جلد ۲ خلفائے راشدین ص ۲۵۸)

حضرت علیؓ کی معزولی کی حقیقت

مولانا عامر عثمانی کی فطرت شعلہ اور برق کی ہے، انھوں نے قلم سے شمشیر کا کام لیا ہے۔ اور قلم سے نہیں تلوار کی نوک سے حق کو ناحق اور ناحق کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن عباسی صاحب شبنم صفت معلوم ہوتے ہیں، وہ حق و ناحق کا نام نہیں لیتے چپکے چپکے حضرت علیؓ کے کردار کو دھندلا اور حضرت معاویہؓ کے کردار کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے قارئین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کی منزل تک پہونچا دیتے ہیں جہاں پہونچ کر ان کے قاری اس نتیجے پر پہونچ جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے باغیوں اور حضرت عثمان ذی النورینؓ کے قاتلوں کے آلۂ کار بن کر خلافت قبول کر لی تھی، اور ان باغیوں اور سرکشوں ہی کے قہر و استبداد سے کچھ لوگ حضرت علیؓ سے بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن ممتاز اور اکابر صحابہؓ حضرت علیؓ کے خلاف تھے۔ بالآخر جنگ صفین کے بعد نمائندگانِ امت نے آپ کو معزول کر کے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی جو خلافت کے اہل اور مستحق تھے۔ لیکن اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟ اسے بھی ہم سے نہیں تاریخ ہی سے دریافت کرنا مناسب ہوگا۔

پس اگر آپ تاریخ سے دریافت کریں گے تو وہ آپ کو بتائے گی کہ جن بزرگوں نے قرآن مجید کو درمیان میں لا کر میدانِ صفین میں شام کا بیڑا غرق ہونے سے بچایا تھا انھیں کی بے مثل مخلصانہ اور حق پرستانہ کارروائی سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ ہوا۔ تفصیل تو ہر بحث کی ہماری کتاب "خلافتِ حضرت علی اور امیر معاویہ" ہی میں ملے گی یہاں خلاصہ اور ماحصل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابن العاصؓ کا تیر نشانے پر بیٹھا حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ قرآن مجید

[1] مکتوبات امام مجدد الف ثانی میں ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ حق پر تھے اور مخالفین باغی تھے (تجلی ستمبر ۱۹۵۹ء)

کے نام پر فریب کا شکار ہو گیا حضرت علیؓ نے بہت سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے اس دام تزویر میں نہ آنا چاہئے۔ کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن معمر نے حضرت علیؓ کی تائید کی اور کہا۔ ہم نے پہلے ان کو قرآن کی طرف بلایا مگر انھوں نے پروا نہ کی، اب ناکامی و نامرادی کا سامنا ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے، لیکن فریب خوردہ سرکشوں نے کسی کی نہ سنی اور آمادۂ بغاوت ہو گئے۔ اشعث بن قیس نے خیر خواہانہ انداز میں کہا۔ امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری رائے بھی یہی ہے کہ قرآن کو حکم مان لیا جائے۔ اس طرح حضرت علیؓ کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہ رہا کہ اپنے کامیاب بہادروں کو میدان جنگ سے واپس بلائیں۔ مالک اشتر جیتی ہوئی جنگ کو چھوڑ کر میدان سے واپس آئے تو قریب تھا کہ سرکشوں سے جنگ ہو جائے مگر حضرت علی مرتضیٰ نے کسی طرح معاملے کو رفت و گذشت کیا۔ (خلفائے راشدین ص ۲۵۸)

حضرت علیؓ کی معزولی کی حقیقت

التوائے جنگ کے بعد فریقین کے اتفاق رائے سے طے پایا کہ دونوں فریق اپنا ایک ایک نمائندہ مقرر کریں۔ اور وہ دونوں جو فیصلہ کر دیں اسے فریقین قبول کر لیں۔ اس قرارداد کے مطابق اہل شام نے اپنا نمائندہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو مقرر کیا اور اہل عراق نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب پسند نہیں ہے۔ انھوں نے جنگ جمل کے موقع پر میری رفاقت ترک کر دی تھی۔ اور لوگوں کو میرا ساتھ دینے سے روکتے تھے میں عبداللہ ابن عباس کو نمائندہ منتخب کرتا ہوں۔ اہل عراق نے کہا۔ عبداللہ ابن عباسؓ آپ کے عزیز ہیں، اس لئے ہم کو ان کی نمائندگی منظور نہیں۔ ہم اس شخص کو نمائندہ

(37)

بنانا چاہتے ہیں جس کا کم سے اور معاویہ سے برابر کا تعلق ہو۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج میں ایسے خودرائے اور سرکش لوگ موجود تھے جو حضرت علیؓ کی بھی نہیں سنتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص سے کب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا برابر کا تعلق تھا؟ وہ حضرت معاویہؓ کے مشیرِ خاص اور دستِ راست تھے حضرت علیؓ نے مالک اشترؒ کا نام پیش کیا، اہلِ عراق نے ان کو بھی منظور نہ کیا۔ حضرت علیؓ جس طرح التوائے جنگ پر مجبور ہو گئے تھے، ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی اپنا نمائندہ مان لینے پر مجبور ہو گئے۔ (ابن خلدون اور خلفائے راشدین)

یہ ہے ثالثی کی اصل صورت۔ اب دیکھیے محمود احمد عباسی نے اس کو مسخ کرنے کے لئے کتنا پُر فریب اندازِ تحریر استعمال کیا ہے۔

(۱) خدائے بزرگ و برتر کو ملتِ اسلام کی بہتری مقصود تھی، اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا۔ اور دشمنانِ اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔

(۲) سبائیوں کی کوشش یہی تھی کہ خانہ جنگی جاری رہے کیوں کہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔

مسئلہ بھی ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا۔ نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا، سیاستِ ملیہ پر ایک لمحہ کے لئے مستولی رہیں۔

(۳) حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا احساس تھا کہ اب وہ منصبِ خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ انھوں نے جنگ صفین کے موقع پر بڑے تاسف سے فرمایا تھا

کہ اگر میں جانتا کہ معاملہ اس طور ہو جائے گا تو خروج نہ کرتا، اے ابو موسیٰ تو تم فیصلہ کرو خواہ میری گردن اڑنے کے بارے میں کیوں نہ ہو، (ص ۱۱ و ۱۲)

قارئین نے دیکھا عباسی صاحب کی دیانت کو؟ بھلا اس مغالطہ دہی کی بھی کوئی انتہا ہے؟ کیا واقعہ کی اصل تصویر یہی ہے؟

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح کے قریب جنگ کو شامیوں کے فریب میں مبتلا ہو کر باغیانہ دھمکی کے ساتھ بند کرانے والے کون تھے؟ مصلحین یا وہی مفسدین جن کو سبائی پارٹی کہتے ہوئے عباسی صاحب نہیں تھکتے؟ پھر کیا جو ثالثی قائم ہوئی وہ حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے قائم ہوئی تھی؟ اور کیا اس نے حضرت عثمان رضؓ کے خون کے قصاص کے متعلق کوئی فیصلہ کیا یا بوقت فیصلہ اس کا ضمناً بھی کوئی ذکر آیا؟ ثالثی کا فیصلہ عباسی صاحب نے نہیں دیا ہے۔ آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے آئے گا۔

(۲) کیا سبائی پارٹی واقعی جنگ کو جاری رکھنا چاہتی تھی؟ حضرت علی رضؓ کو بغاوت کی دھمکی دے کر جنگ بند کرانے والے کون تھے؟ سبائی ہی تو تھے؟ یہ سبائیوں ہی کی نا کردنی کا صدقہ تھا جو ثالثی کی نوبت آئی ورنہ جنگ صفین کا بھی وہی انجام ہوتا جو معرکۂ جمل کا ہوا۔

(۳) ہمیں یہ دیکھ کر بڑا قلق ہوا کہ عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس احساس کو کہ وہ اب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے اس انداز سے پیش کیا ہے گویا حضرت علی رضؓ کا خود یہ کہنا تھا کہ ان کی خلافت غلط تھی، ان کی حیثیت ایک مجرم ملت کی تھی جو اب ملت کی گرفت میں آگیا ہے۔ ایسے ہی موقع پر جب فرطِ غم سے قلم سے کوئی سخت بات نکل جاتی ہے تو لوگ نام دھرتے ہیں۔ یہاں ہم کو جس ضبط سے کام لینا پڑ

ہے اسے کچھ ہمیں جانتے ہیں ۔

اول تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ حضرت علی رضؓ کا ایسا احساس تھا۔ اور ہو ابھی تو اس لئے نہیں کہ آپ کے کسی فیصلے اور عمل میں کوئی خرابی تھی، بلکہ اس کی وجہ ان لوگوں کی افسوسناک حالت تھی جن سے آپ کو واسطہ پڑا تھا۔ اور آپ نے جو تاسف فرمایا اسکی وجہ بھی اپنوں اور بیگانوں کے افسوسناک اعمال و اخلاق ہی تھے،

عباسی صاحب نے اسی معصومانہ انداز میں ثالثی کا فیصلہ اس طرح سنایا ہے۔ "ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے انتخاب کا مسئلہ اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ جبتک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں۔ (ص ۱۲، ۱۳)

ثالثی کے متعلق ایک باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ قرآن و سنت کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اسے تسلیم کرتے ہیں اس میں پس و پیش نہ ہوگا۔ اس لئے دونوں حکم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کو نصب العین بنائیں۔ اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں۔ اگر فیصلہ کتاب و سنت کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہ کیا جائے گا، اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ جنگ کو پھر حکم بنائیں، (خلفائے راشدین ص ۲۶)

ذرا غور تو کیجئے ایسے فیصلے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیوں ڈرتے جب آپ سراپا حق تھے۔

عباسی صاحب نے اس معاملے میں بھی ہمیں سفید مغالطہ دیا ہے، ثالثی کی کارروائی بھی بڑی عبرتناک ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ جس مصنف کی بات بھی عباسی صاحب کے مذموم مقصد کے خلاف ہوتی ہے خواہ وہ کوئی امام ہی کیوں نہ ہو اسے کاذب، وضاع اور ناقابل

اعتماد قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہم ثالثی کی کارروائی کا خلاصہ عباسی صاحب کے معتمد علیہ مورخ تاریخ ابن خلدون سے دے رہے ہیں۔ بعض مقامات پر "خلفائے راشدین" سے بھی کام لیا گیا ہے۔

وقت مقررہ پر دونوں طرف کے نمائندے اذرح میں جمع ہوئے جو دومۃ الجندل کے نواح میں واقع ہے، دونوں فریق کے چار چار سو آدمی بھی ساتھ آئے تھے۔

پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تنہائی میں ملے، ابن العاصؓ نے کہا۔ ابوموسیٰ! تم جانتے ہو کہ عثمانؓ مظلوم مارے گئے، اور معاویہ اور ان کی قوم کے لوگ عثمانؓ کے ولی اور وارث ہیں،

ابوموسیٰ — ہاں،

ابن العاص۔ پھر تمہیں معاویہؓ کی خلافت تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہے۔ وہ قریش بھی ہیں۔ گو سابق الاسلام نہیں ہیں تاہم ماہر سیاست اور ماہر نظم حکومت ہیں نیز وہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی بھی ہیں۔ حضورؐ کے ساتھ اس سے قریبی قرابت اور کیا ہو سکتی ہے؟ معاویہؓ مدتوں حضورؐ کے کاتب بھی رہے ہیں، اور حضورؐ کی صحبت سے شرفیاب ہیں۔ اگر تم میری رائے سے اتفاق کرو تو جس شہر کی حکومت بھی چاہو فوراً تمہیں دے دی جائے گی۔

ابوموسیٰ۔ عمرو! خدا سے ڈرو، امارت وخلافت سیاست دانی اور مہارتِ حکومت کی بنا پر نہیں دی جاتی، اگر یہ بات ہوتی تو آلِ ابرہہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ ایک شخص کو خلیفہ دینداری، تقویٰ اور دیانت کی بنا پر بنایا جاتا ہے، اگر قریش کی شرافتِ نسبی کا لحاظ کیا جائے تو اس اعتبار سے بھی علیؓ ہی مستحقِ خلافت ہیں، رہی یہ بات کہ معاویہؓ

ذیِ شان کے طالب ہیں تو اس لحاظ سے ان کو امارت دی جانی چاہئے تو میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ایک سابق الاسلام کو چھوڑ کر معاویہؓ کو امارت دی جائے۔ اور جو تم نے یہ کہا کہ اگر میں معاویہؓ کو امیر بناؤں تو مجھ کو خلافت دی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معاویہؓ مجھ کو اپنی پوری امارت دینے کا وعدہ کریں جب بھی میں ان کو ہرگز خلیفہ نہ بناؤں گا۔ میں اللہ کے کاموں میں رشوت نہیں لیتا، ہاں اگر تم اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہؓ اپنے باپ کی یاد تازہ کردیں۔

ابن العاصؓ۔ تم کو میرے بیٹے کو خلیفہ بنانے میں کیا عذر ہے تم اس کی حالت اور صلاحیت و استعداد سے واقف ہو۔

ابوموسیٰؓ۔ تمہارا بیٹا بیشک صالح اور سچا آدمی تھا لیکن تم نے اس کو بھی تو اس فتنہ سے ملوث کر رکھا ہے۔

ابن العاصؓ۔ خلافت تو ایسے شخص کے سپرد کرنی چاہئے جسے دو داڑھ ہوں، ایک سے وہ خود کھاتا ہو اور دوسرے سے لوگوں کو کھلاتا ہو۔

ابوموسیٰؓ۔ ابن العاص! عرب نے اس قدر جنگ اور خونریزی کے بعد اپنا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دیا ہے۔ خدارا اس میں فتنہ انگیزی نہ کرو۔

ابن العاصؓ۔ پھر تمہیں بتاؤ کیا کیا جائے۔؟

ابوموسیٰؓ۔ میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کردیں اور خلیفہ کے انتخاب کو مسلمانوں کے سپرد کردیں۔ وہ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس رائے سے اتفاق کرلیا اور دونوں تخلیہ سے نکل کر مجمع کے سامنے آئے۔

پہلے حضرت ابن العاصؓ نے ابوموسیٰؓ کو مخاطب کر کے کہا: "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابی ہیں۔ اور عمر میں بھی بڑے ہیں۔ جس بات پر ہم نے باہم اتفاق کیا ہے آپ کھڑے ہو کر اسے لوگوں کو سنا دیں۔"

ابوموسیٰؓ ایک سیدھے سادے، داؤں پیچ سے ناآشنا، نیک آدمی تھے۔ سادگی کیساتھ اٹھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: "ہم دونوں نے جس رائے پر اتفاق کیا ہے عجب نہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ امت مرحومہ میں صلح کرا دے ......"

ابوموسیٰؓ کا اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ عبداللہ بن عباسؓ درمیان میں بول اٹھے۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو دھوکا دیا جائے گا، اگر واقعی تم دونوں نے کوئی بات طے کی ہے تو اسے پہلے عمرو کو کہنے دو۔"

حضرت ابوموسیٰؓ نے ابن عباسؓ کی بات پر توجہ کئے بغیر کہا: "ہم دونوں کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ علیؓ و معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو اختیار دیدیں کہ وہ اتفاق رائے سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، چنانچہ میں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا تم جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔"

ابوموسیٰ اشعریؓ کے بات ختم کرتے ہی عمرو بن العاصؓ اٹھے اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم لوگ گواہ رہو کہ ابوموسیٰؓ نے اپنے ساتھی علیؓ کو معزول کر دیا اور جس طرح انھوں نے ان کو معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں اور معاویہؓ کو ان کی جگہ برقرار رکھتا ہوں، وہ عثمانؓ کے ولی و جانشین اور ان کی خلافت کے مستحق ہیں۔"

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابوموسیٰؓ کو ملامت کرنے لگے، انھوں نے کہا اگر عمرو بن العاصؓ ایک بات طے کر کے اس سے پھر گیا تو میں کیا کروں؟

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ میں جو گفتگو ہوئی وہ اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ ہم اسے نقل نہیں کر سکتے، ہانی بن شریح نے ابن العاصؓ پر تلوار چلائی، اور انھوں نے بھی جواب میں وار کیا، تو لوگوں نے درمیان میں پڑ کر جھگڑے کو طول پکڑنے سے روک دیا۔

(ترجمہ ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۷۵ تا ص ۲۷۹)

یہ ہے ثالثی کی کارروائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کی حقیقت جس کے خدوخال عباسی صاحب نے معصومانہ دیانت کے ساتھ اور پیش کیے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ کی معزولی کی تجویز پیش کر کے پھر مجمع کے سامنے پہلے بیان دے کر جو دھوکا کھایا اس پر وہ اتنے نادم ہوئے کہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گئے اور عمر بھر گوشہ نشین رہے۔

(خلفائے راشدین ص ۲۶۳)

قائدین اہل شام نے کتاب اللہ کے نام پر جنگ ملتوی کرائی اور پھر اسی کے نام پر فیصلہ میں یہ بے عنوانی کر کے اسلامی تاریخ و سیرت کو جس طرح داغدار بنا دیا ہے وہ بے حد افسوس ناک ہے، کاش کوئی ایسا محقق ہوتا جو ان واقعات کو غلط ثابت کر دیتا۔ محمود احمد صاحب عباسی تحقیق و ریسرچ کے دعوے کے ساتھ اٹھے تو انھوں نے دجل و تلبیس اور فریب و مغالطہ کی انتہا کر دی۔ ع

پھر کسے رہنما کرے کوئی

ہمیں تو ایسے واقعات کے مطالعہ سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے کبھی ان کو منظرِ عام پر لانا پسند نہیں کیا۔ لیکن مولانا عامر عثمانی نے ایسے واقعات سے قطعاً صرفِ نظر کر کے حضرت معاویہؓ کی مجنونانہ حمایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جرح و قدح اور طعن و طنز کا نشانہ بنا کر اور عباسی صاحب نے یزید کو معصوم اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو عاصی و خاطی

ثابت کرنے کے لئے "خلافت معاویہ ویزید" جیسی علم دتحقیق اور حق و دیانت کو رسوا کرنے والی کتاب لکھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت امام حسینؓ کی حرمت کی حفاظت کے لئے لوگوں کو اخفاقِ حق اور ابطالِ باطل پر مجبور کر دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت و وصیت

محمود احمد عباسی صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ بھی اس انداز سے تحریر کیا ہے کہ حقیقتیں مستور ہو کر رہ گئی ہیں۔ عباسی صاحب کے بیان کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ صفین سے واپسی کے بعد حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ خوارج سے جنگ و جدل میں الجھ گئے اور عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، (ص ۱۳)

لیکن بات اتنی سادہ اور مختصر نہیں ہے، جنگ صفین میں شکست سے بچنے کے لئے اہلِ شام جو قرآن شریف کو درمیان میں لائے اس کے نتیجے میں ثالثی اور تحکیم وجود میں آئی۔ اور یہی ثالثی اور تحکیم خارجی فرقہ کے وجود میں آنے کا باعث بن گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی عراقیوں میں ایک گروہ ثالثی اور تحکیم کے خلاف ہو گیا۔ اس کا نعرہ تھا ان الحکم الا للہ۔ اللہ کے سوا کسی کو فیصلے کا حق نہیں۔ فریقین نے فیصلے کا جو اصول طے کیا تھا اور جو نمائندے منتخب کیے تھے اس کو یہ فرقہ کفر اور اس اصول کی نمائندگی کو منظور کرنے والوں اور ان کے ساتھیوں کو کافر قرار دیتا تھا۔ انہی باغیوں اور خارجیوں سے بمقام نہروان حضرت علیؓ کی جنگ ہوئی۔ اسی فرقہ کے لیڈروں نے حج کے موقع پر ایک میٹنگ میں طے کیا کہ جب تک حضرت علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ زندہ رہیں گے مسلمانوں کو خانہ جنگی سے نجات نہ ملے گی۔ لہٰذا ان کا خاتمہ کر دینا چاہئے، عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا، نزال نے حضرت معاویہؓ کے اور عبداللہ نے

عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا، ۲۰ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کی صبح نمازِ فجر میں تینوں نے اپنے اپنے پروگرام پر عمل کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ اس روز امامت کے لئے نہیں آئے تھے، ان کے دھوکے میں ان کا قائم مقام مارا گیا، حضرت معاویہؓ کو ہلکا زخم آیا، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سرِ مبارک پر کاری زخم لگا۔ اور اسی روز شب میں اللہ و رسول کی اطاعت و محبت، اسلام کی تائید و حمایت، غزوہ و جہاد، شجاعت و شہامت، زہد و قناعت، ورع و تقویٰ، استغناء و بے نیازی، خلافت و امامت اور رشد و ہدایت کا یہ آفتابِ جہاں تاب غروب ہوگیا جس کے بعد دنیا نے پھر اس شان کا جامع الصفات امام و خلیفہ نہیں دیکھا۔ سلام اللہ علیہ و رضوانہ۔

عباسی صاحب نے اموی ملوکیت و سلطنت کا راستہ صاف کرکے یکس کی شہادت کا سرسری واقعہ لکھ کر ٹھنڈی سانس لی ہے۔ ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیں، یہ حضرت علیؓ ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ چار اول الاسلام میں سے ایک اول اسلام، دعوتِ اسلامی کے ابتدائی زمانے میں جب آیۂ کریمہ "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کی ادائگی کے لئے اکابرِ خاندان کو مدعو فرمایا تو دعوت کے منتظم یہی حضرت علیؓ تھے۔ اور جب رسول اللہؐ نے اکابرِ خاندان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں ایک ایسی چیز کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں جو تمہاری دنیا اور دین دونوں کی کفیل ہے تو کون ہے جو اس بار کے اٹھانے میں میرا ساتھ دیتا ہے (او کما قال) اور اللہ کے رسولؐ کی پکار کا کسی نے جواب نہ دیا تو انھیں علیؓ نے اپنی پتلی پتلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اپنے کو پیش کیا، پھر اس عہد کو اس طرح پورا کیا کہ ہجرت کی رات جب قریش نبوت کدہ کو گھیرے ہوئے تھے، آپؐ نبوت کدہ سے نکلے تو یہی علیؓ تھے جو اس قتل کی رات میں بستر

رسول پر ہوئے، یہ علی رض ہی تھے جنہوں نے بدر میں مشرکین کی صفیں الٹ دیں، یہ علی رض تھے
کہ جب احد میں افواہ اڑا گئی کہ رسول اللہ شہید ہوگئے اور کتنے جاں نثاروں نے تلواریں
نیام میں رکھ لیں کہ اب سب کچھ بے سود ہے تو یہ علی رض ہی تھے جنہوں نے کہا رسول اللہ کے
بعد زندگی ہی کا کیا حاصل ہے اور ان کی تلوار چلتی ہی رہی، یہ علی رض ہی تھے جن کا کارنامہ
غزوۂ احزاب میں سب پر بھاری رہا، ہم کسی صحابی کی تحقیر و اہانت کو معصیت سمجھتے ہیں۔
لیکن جب مولانا عثمانی اور عباسی صاحب نے خواہ مخواہ حضرت علی رض کے مقابلے میں حضرت معاویہ رض
اور حضرت ابن العاص رض کو لا کر کھڑا کر دیا ہے اور دنیا کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو یہ حضرات علی رض
سے بھی بڑھ کر ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان مواقع پر یہ حضرات کہاں تھے؟ ---- حضرت علی رض اور حضرت
عائشہ رض کی مخالفت کا رونا رونے والے عثمانی اور عباسی آئیں اور شہادت علی رض پر حضرت عائشہ رض کا موقف سنیں

حضرت زید بن حسن رض کا بیان ہے کہ حضرت امیر المومنین رض کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تو وہاں
ایک کہرام برپا ہوگیا، کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو، بالکل وہی منظر تھا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔

جب ذرا سکون ہوا تو لوگ ہجوم کی صورت میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رض کے گھر گئے، ان کو
معلوم ہوا کہ وہاں اس حادثہ کی خبر پہلے ہی پہنچ گئی ہے ام المومنین رض غم سے نڈھال، آنسوؤں میں
تر بیٹھی ہیں، ہچکی بندھی ہے، آنکھیں اشکبار ہیں،

دوسرے روز مسجد نبوی کے حضار کو معلوم ہوا کہ ام المومنین رض مزار رسول پر آرہی ہیں، مسجد میں جتنے
مہاجرین و انصار جمع تھے استقبال کیلئے کھڑے ہوئے، اور سلام بجا لانے لگے۔ مگر ام المومنین رض نے کسی کے
سلام کا جواب نہ دیا اور نہ کچھ بولیں، نہ کسی طرف دیکھا، شدت گریہ سے زبان بند تھی، غم سے آنکھوں میں
اندھیرا تھا، چادر تک سنبھلتی نہ تھی، بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا جاتیں، بدقت تمام پہنچیں،
لوگ پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے، حجرے میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں، اور ٹوٹی پھوٹی
آوازیں بولیں۔

اے نبی ہدایت! تم پر سلام، اے ابو القاسم تم پر سلام! اے رسول اللہ! آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام

پر سلام، رسول اللہ! میں آپ کے سب سے زیادہ پیارے عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں، میں آپ کو آپ کے سب سے زیادہ محبوب کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں، بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز قتل کر ڈالا گیا، واللہ وہ قتل ہو گیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ وہ قتل ہو گیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا، میں رونے والی غمزدہ ہوں، میں اس پر آنسو بہانے والی اور دل جلانے والی ہوں، اگر قبر کھل جاتی تو آپ کی زبان بھی کہتی کہ آپ کا عزیز ترین اور مقرب ترین وجود قتل ہو گیا۔

(رحلتِ خلفائے راشدین۔ عبدالرزاق ملیح آبادی)

حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کے لئے وہ طریقہ اختیار کیا جسے ان کے زود درو صحابہؓ نے کسریٰ اور قیصر کی سنت قرار دیا۔ لیکن وہ حضرت علیؓ ہی تھے کہ جب ان کے آخری لمحات میں جندب بن عبداللہ نے عرض کیا "امیر المومنین! ہم لوگ آپ کے بعد حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" تو آپ کا جواب تھا۔ "میں اس کے متعلق نفیاً و اثباتاً کچھ کہنا نہیں چاہتا!" (خلفائے راشدین ص ۲۷۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کو عباسی صاحب نے جس منافقانہ پیرائے میں لکھا ہے وہ بھی نہایت مضحکہ خیز ہے۔ گویا حضرت علیؓ کی پوری حیاتِ خلافت خود آپ کی نظروں میں غلط تھی۔ اور اپنی غلط کاریوں کا خود آپ کو شدید احساس تھا۔

عباسی صاحب کا حاصلِ بیان یہ ہے :-

(۱) حضرت علیؓ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت حسنؓ سے دیر تک تنہائی میں گفتگو کی، اور بڑی نصیحتیں اور وصیتیں کیں، اتفاق و اتحاد کی تلقین فرمائی اور ہدایت کی کہ میرے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا، ان کے امیر المومنین ہو جانے سے کراہت نہ کرنا، اگر تم ان کو بھی گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشارِ امت کے نتائج بھگتنے ہوں گے"۔

(۲) "حضرت علیؓ کو اپنی آخری ساعتوں میں اس کا احساس تھا کہ ان کی پارٹی

بری طرح ناکام ہو چکی ہے ۔ وہ اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے، فرماتے کاش میں تمہاری صورت نہ دیکھتا ۔ اے کاش میں بیس برس پہلے مر گیا ہوتا ۔" (ص ۱۳)

(۳) امام ابن تیمیہ کا بیان کہ حضرت علیؓ اپنے سپاہیوں کے تمرد و استبداد سے عاجز تھے اور آپ کے اعوان و انصار آپ کی بات نہ مانتے تھے اس کے برعکس حضرت معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے ۔" (ص ۱۴)

(۴) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقریر کہ میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے، اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی فوجی قوت بھی ان کے مقابل لے آتے تو بھی وہ ضرور غالب رہتے، خدا کی حکمت نہ ٹوٹائی جا سکتی ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے ۔ (ص ۱۵)

ہمارا تبصرہ ملاحظہ ہو ۔

(۱) عباسی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت سے زیادہ پروپیگنڈہ ہے، ان باتوں کا حوالہ عباسی صاحب نے ص ۱۵ پر نقل کیا ہے جو یہ ہے ۔

ان علیا ابی کان یقول لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرأیتم الرؤس تندر عن کواھلھا کالحنظل ۔	حضرت امام حسنؓ نے فرمایا میرے والد علیؓ فرماتے تھے معاویہ کی امارت سے کراہت نہ کرنا اگر تم نے ان سے تفرقہ کیا تو تم دیکھوگے کہ حنظل کی طرح سر مونڈھوں سے گریں گے ۔

دیکھئے اس حوالے میں وہ بکواس کہاں ہے جو عباسی صاحب نے کی ہے، حضرت علیؓ کے ارشاد کا اس سے زیادہ اور کیا مطلب ہے کہ امیر معاویہؓ جیسے کچھ بھی ہیں وہ ہیں، بعد والے تو اور بھی ظالم اور خونریز ہوں گے، کیا یزید اور اس کے اعوان و انصار حضرت علیؓ کے اندازہ

سے بھی کچھ زیادہ ہی ظالم اور خونریزی پسند نہ تھے۔؟

(۲) عباسی صاحب قطع و برید کے ساتھ حوالے نقل کرنے میں کتنے دلیر و بے باک ہیں۔ اس کے نمونے اوپر آئے ہیں۔ آپ کی خیانت و بددیانتی کے بڑے بڑے شاہکار یزید اور ابن سعد کے بیان میں آئیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ کا جو یہ قول عباسی صاحب نے نقل کیا ہے کہ کاش میں بیس برس پہلے مرگیا ہوتا، اس کا چھوٹا حوالہ بھی پیش نہیں کیا ہے، مجھ سے حوالہ کے ساتھ سنئے کہ انتقال کے وقت حضرت عمرو بن العاصؓ کا حال کیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا مرض الموت تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کو گئے، خیریت پوچھی، جواب دیا۔ کیا پوچھتے ہو؟ دنیا کم بنائی، مگر دین کو زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا اور اسے بنایا ہوتا جسے بگاڑا تو بے شک کامیاب ہوتا، اگر اس وقت کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا، اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا، مگر اب منجنیق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں اور نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں، برادر زادے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔ (سیر المہاجرین ص۱۵۰ بحوالہ استیعاب)

ابن شماسہ مہری حضرت ابن العاصؓ کی عیادت کو گئے تو آپ دیوار کی طرف منہ پھیر کر رونے لگے، آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں سنا کر آپ کو تسلی دینا چاہا، آپ نے بڑی حسرت سے اپنی زندگی کے تین دوروں کا ذکر کیا، ایک زمانہ کفر کا، اس کے متعلق فرمایا، مرگیا ہوتا تو دوزخ یقینی تھی، دوسرا دور اسلام اور عہد نبوی کا اس کے بارے میں فرمایا، اس حالت میں مرجاتا تو جنت کی امید تھی۔ تیسرے دور کے متعلق کہا۔ پھر تیسرا دور آیا جب میں نے مختلف قسم کے اعمال کئے۔ اب میں نہیں جانتا میرا کیا

حال ہوگا۔" (سیر المہاجرین جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ بحوالہ مسلم)

عباسی صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ صحیح ہو جب بھی یہ بڑی ناخدا ترسی ہے کہ اسے حضرت علیؓ جیسے بشیر بالجنتہ کو خاطی اور عاصی ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ خود حضرت عمرو بن العاصؓ کا جو بیان ہم نے نقل کیا ہے وہ انکی اہانت کی غرض سے نہیں، اس میں ہم ہمارے لئے بڑی عبرتیں ہیں۔ انھوں نے تو بہت سی نیکیاں بھی کی تھیں مرنا اور خدا کے سامنے پیش ہونا ہمیں بھی ہے۔ ہمارے پاس کیا ہے؟ خالی دامن خالی ہاتھ، خدا اپنی رحمت میں پناہ نہ دے تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ مواخذۂ آخرت سے تو صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ جیسے عاملان حق لرزاں و ترساں رہتے تھے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں بیشک ایسے سرکش اور نافرمان لوگ بھی تھے جن سے آپ کو بڑے بڑے نقصانات اور صدمے اٹھانے پڑے لیکن ہزاروں مخلصین بھی تھے حضرت عمار بن یاسرؓ کا ہم پلہ شامی فوج میں کون تھا؟ حضرت سعد بن قیسؓ علمبردار رسولؐ حضرت علیؓ کے ان مخلصین میں تھے جنہوں نے حکومت و امارت کی ہر پیش کش کو ٹھکرا کر حضرت مرتضیٰؓ کا ساتھ دیا۔ بلاشبہ حضرت معاویہؓ کے ساتھی اور اعوان و انصار بڑے اطاعت شعار تھے۔ لیکن حضرت علیؓ صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی راہ پر چلنے والے، ان کے یہاں وہ زر و دہش اور وہ مال و دولت کی فراوانی کہاں تھی؟ حضرت معاویہؓ کا حال یہ تھا کہ جو شخص جس قیمت پر معاون و مددگار بنتا تھا بنا لیتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بھی بے فتح و کامیابی کے بعد مصر کی گورنری پر رفاقت کا سودا ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نالشی کے موقع پر حضرت موسیٰ اشعریؓ کو حسب خواہ حکومت پیش کر رہے تھے جسے انھوں نے ٹھکرا دیا۔ حضرت علیؓ کے یہاں یہ کاروبار کہاں تھا؟ ادھر خزانے کا منہ کھلا رہتا تھا، ادھر خزانے پر بھی نگاہ تھی (خلفائے راشدین

کاش عباسی صاحب ہمیں یہ سب لکھنے پر مجبور نہ کرتے، یہ کام میرے مزاج و اصول کے سخت خلاف ہے جسے اس لئے کرنا پڑ رہا ہے کہ معاملہ حضرت علیؓ اور اہل بیت اطہار سلام اللہ علیہم کی حرمت کا آپڑا ہے۔

(۴) یہ حضرت علیؓ کی زبان سے حضرت معاویہؓ کی فضیلت و بزرگی کا اعتراف نہیں ہے کہ معاویہؓ ضرور کامیاب ہو جائیں گے، یہ تو حالات کے تجربہ و مشاہدہ کا بیان ہے جس کا نمونہ ہم نے بھی جنگ صفین کے التواء اور ثالثی کے فیصلہ کی صورت میں دیکھا،

امیر معاویہؓ سے امام حسنؓ کی مصالحت کی حقیقت

محمود احمد عباسی نے امیر معاویہؓ سے حضرت امام حسنؓ کی مصالحت و بیعت کا حال بھی نہایت مغالطہ آمیز انداز میں لکھا ہے اس مغالطہ اور فریب دہی کے لئے پہلے تو انہوں نے زمین تیار کی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی "وصیت" کے زیر عنوان ادھر ادھر کی ایسی باتیں درج کی ہیں گویا حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ کو امیر معاویہؓ سے بعید خائف کر گئے تھے۔ اور تاکید فرما گئے تھے کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ میرے بعد فوراً امیر معاویہؓ سے بیعت کر لینا ورنہ بڑی خرابی اٹھاؤ گے، اس کے بعد حضرت امام حسنؓ کی ایک تقریر نقل کر کے لکھا ہے کہ اس تقریر کے سننے میں سبائیوں نے سبط رسولؐ پر حملہ کر دیا (ص۱۵)

یہ "سبط رسول" کا جملہ جناب عباسی صاحب کا ہے، اور یہ عقیدتمندانہ جملہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ بات سبائیوں کے حملے کی ہے، ہم آگے بتائیں گے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے "سبط رسول" کے ساتھ کیا کیا۔

"مصالحت اور بیعت خلافت" کے عنوان سے عباسی صاحب نے لکھا ہے: "زخم مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلاتامل مصالحت میں سبقت کی"۔ (ص۱۶)

اس بیان سے کوئی اس کے سوا اور کیا سمجھے گا کہ حضرت علیؓ کی وصیت اور اپنے فیصلے

کے مطابق حضرت امام حسن رضؓ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضؓ سے بیعت کرنے کے لئے مضطرب تھے، سبائیوں کے حملے سے زخمی ہو جانے کے باعث چند دنوں کے لئے مجبور ہو گئے تھے۔ جیسے ہی زخم مندمل ہوئے آپ نے مصالحت کر کے بیعت کر لی لیکن اس مصالحت و بیعت کی واقعی صورت کیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپرد خاک کرنے کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے، لوگوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص جدا ہوا ہے جس سے نہ اگلے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے، رسول اللہ علیہ وسلم اس کو اپنا علم مرحمت فرماتے اور لڑائیوں میں بھیجتے، وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہیں لوٹا۔ ...... سات سو درہم (تقریباً پونے دو سو روپے) کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے۔ اس نے سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا، یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کے لئے جمع کئے تھے۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۵ حالات امام حسن رضؓ)

حضرت امام حسن رضؓ پر فوج کشی

صفین کی جنگ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے درمیان دوبارہ سلسلۂ جنگ جاری ہو گیا تھا لیکن سنہ ۴۰ھ میں دونوں فریق کی یکساں خواہش کے مطابق خانہ جنگی کا سلسلہ بند کرنے کے لئے باہم مصالحت ہوئی جس کی رو سے قرار پایا کہ شام حضرت معاویہ رضؓ کے قبضے میں اور عراق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قبضہ تصرف میں رہے اور فریقین میں سے کوئی کسی کے علاقہ میں مداخلت و دست اندازی نہ کرے۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ صفحہ ۶ بحوالہ ابن اثیر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضؓ کو اس معاہدہ پر قائم رہنا چاہئے تھا۔ خاص کر اس لئے بھی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان سے چھوٹے تھے۔ اور

ان کے والد بزرگوار کی حال ہی میں وفات ہوئی تھی۔ وہ رعایت وہمدردی کے مستحق تھے، لیکن حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ہی حضرت معاویہؓ نے جنگ کی طرح ڈال دی، اور عبداللہ عامر کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر مدائن کی طرف روانہ کر دیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ مدائن کی حفاظت کے لئے نکلے، رباط پہونچکر آپ کو فوج میں کمزوری اور پہلوتہی کے آثار نظر آئے، اس لئے آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی، فرمایا کہ "میں جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں، میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں، امید ہے تم اسے رد نہ کروگے، تم جس اتحاد و یکجہتی کو ناپسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ و اختلاف سے کہیں افضل ہے جسے تم پسند کرتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور بزدلی دکھا رہے ہیں، میں تمہاری مرضی کیخلاف تمہیں جنگ کیلئے مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

حضرت امامؓ کی فوج میں خارجی بھی تھے جو حضرت معاویہؓ سے لڑنا فرضِ عین سمجھتے تھے وہ حضرت امامؓ کی تقریر سنکر شرارت پر اتر آئے اور آپ پر حملہ کرکے مصلیٰ چھین لیا، آپ ربیعہ اور ہمدان کی معیت میں مدائن روانہ ہو گئے، راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی آپ کی تاک میں بیٹھا تھا۔ اس نے حملہ کرکے آپ کے زانوئے مبارک کو زخمی کر دیا، آپ کے ساتھیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۸)

یہ ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقریر اور آپ پر خارجیوں کے حملے کی صحیح صورت، آپ نے یہ تقریر کس حالت میں فرمائی اور حملہ کس مقام پر ہوا، اور عباسی صاحب نے اس واقعہ کو اس صورت میں پیش کیا ہے گویا حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ہی آپ نے مصالحت کی تقریر کی۔ آپ پر حملہ ہوا، زخمی ہوئے اور صحت کے بعد ہی حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی،

حضرت معاویہ رضی کی نوچ کسوٹی کا کہیں کوئی اشارہ تک نہیں۔

اگر کسی شخص کو یہ آرزو ہو کہ عباسی صاحب کی کتاب میں کوئی ایک ہی واقعہ مغالطہ اور فریب سے پاک مل جائے تو اسے اس کی حسرت ہی رہ جائے گی، ــ جن شرائط کے ساتھ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دست بردار ہو کر حضرت معاویہ رضی سے مصالحت و بیعت کی ان کو عباسی صاحب نے نہیں بتایا۔

(۱) کسی کو بھی محض بغض و کینہ کی بنا پر گرفتار نہ کیا جائے گا۔

(۲) بلا استثنا سب کو امان دی جائے گی۔

(۳) عراقیوں کے ہفوات کو برداشت کیا جائے گا۔

(۴) اہواز کا کل خراج حسین کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔

(۵) حسین رض کو دو لاکھ سالانہ دیا جائے گا۔

(۶) صلات و عطایا میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

(سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۹ تذکرہ امام حسن رض)

امام عالی مقام رض کے اخلاق کی بلندی ملاحظہ ہو۔ شرائط میں اہل کوفہ اور اہل عراق کے تحفظ کو مقدم رکھا اور اس حد تک کہ وہ حضرت معاویہ رض اور اہل شام کے متعلق ناگوار باتیں بھی کہیں تو ان کو بھی گوارا کیا جائے۔ بھائی کا حق علیحدہ مستقل طور پر قائم کر دیا اور اہل خاندان کو بھی نظر انداز نہ کیا۔ ان کو بنی امیہ یعنی شاہی خاندان پر ترجیح دلائی، یہ اخلاق الکبیر (بزرگ) کا نمونہ تھا۔

اسی سلسلے کی حضرت امام عالی مقام کی ایک تقریر بھی سن لیجیے:۔

حضرت عمرو بن العاص رض جو حضرت معاویہ رض کے مشیر اور بہی خواہِ خاص تھے، انھوں

نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت امامؓ سے عام مجمع میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا جائے کہ تمام لوگ سن لیں۔ حضرت معاویہؓ نے پہلے تو اسے ٹالا لیکن پھر ان کے اصرار پر حضرت امام سے اعلانِ عام کی فرمائش کی، اس پر آپ نے تقریر فرمائی۔

"لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی، دانائیوں میں سب سے بہتر دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں، خلافت جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے یا وہ اس کے حقدار ہیں یا ہم، دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی صلاح اور تم لوگوں کے خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے ...."

امیر معاویہؓ درمیان ہی میں بول اٹھے "بس کیجئے، اتنا کافی ہے"، اور ابن العاصؓ سے کہا "تم مجھے یہی سنوانا چاہتے تھے"! (سیر الصحابہ جلد ۶ صہ ۱۲، بحوالہ اسد الغابہ)

دیکھا! یہ تھے سبطِ رسولؐ جرأت و حق گوئی اور رشد و ہدایت کی کیسی روح آپ کے اندر کارفرما تھی۔

اس مصالحت کو امام عالی مقامؓ کے کسی ضعف و عجز پر محمول نہ کیجئے، یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فرزندانِ رسولؐ نے اپنے کردار سے نہ صرف امتِ مسلمہ بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے دو روشن مینار تعمیر کئے، ایک انسانیت کی سلامتی اور قیامِ امن کے لئے امارت و حکومت قربان کر دینے کا اور دوسرا حق و صداقت کی راہ میں اپنا سب کچھ نثار کر دینے کا۔

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم ۔۔۔ حافظِ جمعیتِ خیر الامم

تا نشنید آتش پیکار دگیں | پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرارِ جہاں | قوتِ بازوئے احرارِ جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؓ | اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ (حکیم امت اقبالؒ)

چلتے چلتے عباسی صاحب کے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے اہل بیتِ رسول کی عقیدت و محبت کا نمونہ ملاحظہ کر لیجئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بحث میں عباسی صاحب نے مروان کا مدحیہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا جان کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی کیوں نہ ہوتی، ان کی آغوشِ شفقت کی راحت کہیں مر کر بھی بھولنے والی تھی۔ زہر خوری سے جب آپ کو زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنی نانی جان ام المومنین حضرت صدیقہؓ سے اجازت مانگی، انھوں نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی۔ حضرت امام عالی مقامؓ سلامت پسندی اور صلح گوئی کے پیکر تھے۔ اجازت مل جانے کے باوجود وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد پھر اجازت مانگنا۔ شاید میری زندگی میں از رہِ مروت اجازت دیدی ہو، دوبارہ اجازت مل جائے تو مقبرہ نبوی میں دفن کر دینا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ بنی امیہ مزاحم ہوں گے، اگر ایسی صورت پیش آئے تو اصرار نہ کرنا بقیع الفرقد کے گورِ غریباں میں دفن کرنا۔

وفات کے بعد حضرت صدیقہؓ سے پھر اجازت مانگی گئی، انھوں نے اسی فراخدلی سے مکرر اجازت دیدی۔ لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ لوگوں نے عثمانؓ کو دفن نہیں ہونے دیا تو حسنؓ روضہ نبوی میں کیسے دفن ہو سکتے ہیں۔

حضرت امام حسنؓ حضرت عثمانؓ کو دفن سے روکنے والے نہ تھے، مروان کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت میں کانٹا بھی نہ چبھا، امامؓ نے تلوار باندھ کر پہرہ دیا اور شمشیر کے زخم کھائے،

حضرت امام حسین رضؓ کی فطرت ظلم و جور کی حریف تھی، انھوں نے تلوار نکال لی مقابل سے بھی تلواریں نکل پڑیں اتنے میں حضرت ابوہریرہؓ پہونچ گئے۔ پکار کر بولے یہ ابن رسولؐ کو نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے، اور حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی اور ناکام اپنی مادر محترمہ سیدہ زہرا رضؓ کے پہلو میں سپرد خاک کر دئے گئے، نوجوانانِ جنت کے سردار خاتونِ جنتؓ کے پہلو میں۔

حضرت امام حسنؓ صورت و سیرت دونوں میں اپنے نانا جان سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، جب آپ بچے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ پیار سے گود میں اٹھا لیتے، کندھے پر چڑھا کر حضرت علیؓ سے کہتے، یہ بچہ رسول اللہؐ کا بیٹا ہے۔ تم سے زیادہ انؐ سے مشابہ ہے۔ حضرت علیؓ مسکرا پڑتے،

آہ! وہ دن!! خاندانِ نبوت کے اس گلِ سرسبد کا اہل مدینہ کو ایسا غم ہوا کہ گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے۔ ابوہریرہؓ جیسا بوڑھا صحابی مسجد نبوی میں فریاد و فغاں کرتا تھا اور پکار پکار کر کہتا تھا۔ لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہؐ کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا، جنازہ میں ایسا ہجوم تھا کہ سوئی پھینکی جاتی تو زمین پر نہ گرتی۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ ص۱۶ بحوالہ تہذیب التہذیب)

حضرت حسنینؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا حسن سلوک

جناب عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ سے ۱۲۱ تک میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے حسن سلوک کو بڑے اہتمام سے سند در سند دے کر لکھا ہے، حاصل بیان یہ ہے کہ حضرات حسنینؓ ہر سال مدینہ سے شام جاتے، حضرت معاویہؓ کے مہمان ہوتے، حضرت معاویہؓ ان کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آتے اور دو لاکھ سالانہ عطیہ دیتے، بعد میں آپ نے دو لاکھ کے عطیہ کو دس لاکھ کر دیا تھا۔ دوسرے ہاشمی اعیان و اکابر کو بھی عطیے ملتے تھے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ حضرت معاویہؓ میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں، علاوہ ازیں

وہ بہت بڑے مدبر، سیاست داں اور نظم حکومت کے ماہر تھے، وہ جانتے تھے کہ حکومت کیسے حاصل کی جاتی ہے، غیر جانبداروں کو جانبدار، غیروں کو حامی و مددگار، مخالفوں کو ہم نوا اور دشمنوں کو دوست کیسے بنایا جا سکتا ہے، اور حکومت و سلطنت کو مستحکم کیسے کیا اور رکھا جا سکتا ہے، ان کی باریک بین اور دوررس نگاہ اس پر بھی رہتی تھی، کہ کون لوگ کس شخصیت و عزیمت کے مالک ہیں، وہ کسی وقت اٹھ کھڑے ہوں تو اس کے اثرات و نتائج کیا ہو سکتے ہیں اس لئے حکومت و سلطنت کے استحکام کے لئے ایسی شخصیتوں کو خوش اور مطمئن رکھنا کتنا ضروری ہے، ان تمام تدابیر و مصالح کے پیش نظر حضرت معاویہؓ ہر وقت دل و دماغ اور خزانے کا دروازہ کھلا رکھتے تھے۔ مال کے مواقع پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے، اور عہدے اور مناصب کے وقت عہدے اور مناصب بخشنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور وہ سب طریقے اختیار کرنے کے لئے بھی جو تاریخوں میں مذکور ہیں اور کچھ اوپر بیان بھی ہو چکے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے کے لئے اسی طرح انھوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو جوان سے بالکل الگ تھلگ تھے اپنا دل و دماغ اور دست بازو بنا لیا تھا، اور ان کے علاوہ کتنے ہی کار آمد اشخاص کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔

اب اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کانٹا ہمیشہ کے لئے ان کے دل سے نکل چکا تھا اور اب وہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے واحد فرمانروا تھے، تاہم ابھی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم جیسی محترم و محبوب شخصیتیں موجود تھیں، اور مسلمانوں میں ان کا غیر معمولی اعزاز و احترام تھا خصوصاً حضرات حسنینؓ کو تو اب بھی مسلمان حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ یادگار سمجھتے تھے، اور یہ حضرات اپنے ذاتی فضائل و کمالات کے اعتبار سے بھی امتیازِ خاص کے مالک تھے حضرت معاویہؓ کے تدبر اور دوراندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان حضرات کے دلوں کو اپنی مٹھی میں رکھیں، اور اس کے لئے وہ حسنِ

سلوک لازم تھا جو حضرت معاویہؓ ان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت معاویہؓ جو دس دس لاکھ سالانہ حضرات حسنینؓ کو ہدیہ کیا کرتے تھے، اور اسیطرح دوسرے ہاشمی اکابر کو سالانہ عطیے دیے جاتے تھے ان کی تعداد پچاسوں لاکھ تک پہونچ جایا کرتی ہوگی تو وہ بیت المال کو کیا سمجھتے تھے؟ کیا خلافتِ راشدہ میں بیت المال کی یہی حیثیت تھی؟ پھر بنی ہاشم ہی نہیں، بنی امیہ بھی تو تھے جن کو شاہی خاندان کی حیثیت حاصل تھی، ان پر دینار و درہم کی کیسی موسلا دھار بارش ہوتی ہوگی؟ اس کے باوجود عباسی صاحب شاہی دربار کے نقیبوں اور چوب برداروں کیطرح اموی خلافت کے متعلق خلافتِ راشدہ کی صدا لگاتے نہیں تھکتے، ابھی کیا ہے جب وہ اپنے قارئین کو یزیدی دربار میں لے جاتے ہیں تو پھر ان کی عقیدتمندی اور وفا کیشی دیکھیے۔

معلوم نہیں عباسی صاحب اتنے باہوش ہوتے ہوئے اس بیان کے آخر میں کیسے چوک گئے، یا پھر ان کو سمجھنے میں ہمیں چوک رہے ہیں جو عباسی صاحب یہ لکھتے ہیں۔

”عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سنکر حضرتِ حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش شروع کی۔۔۔۔۔ حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تھا۔ اگر تم کو خلافت کی طلب کی خواہش ہو تو ہمارے پاس آجاؤ، ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔“

اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بد ظنی سے بچو، اپنے گھروں میں بیٹھے رہو، جب تک معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو، اگر ان کا وقت آگیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے تمہیں مطلع کروں گا۔ (صفحہ ۲۱-۲۲)

اس خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ کے حسنِ سلوک کے باوجود جن طریقوں سے خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ کر لیا گیا تھا ان کو اب تک

بھولے نہ تھے، انکی خموشی حالات کی ناسازگاری کا نتیجہ تھی، وہ سمجھتے تھے کہ حضرت معاویہؓ کو اقتدار و حکومت کے علاوہ صحابیت کی بزرگی بھی حاصل ہے، لیکن ان کے بعد اس کا مواقع پیدا ہو سکتا ہے کہ خلافت کی واپسی کی کوشش کی جائے، خود حضرت معاویہؓ کو بھی اس کا احساس تھا کہ انھوں نے خلافت اسلامیہ پر قبضہ کرنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ اور ان کی داد و دہش مستقبل کے اسی اندیشے اور انجام بینی پر مبنی تھی۔

یزید کے جعلی فضائل و محاسن

محمود احمد صاحب عباسی نے جس مقصد کو مدنظر رکھ کر اپنی کتاب لکھی ہے وہ ہے تیرہ سو برس کی اسلامی تاریخ کی اصلاح، اس طویل مدت میں ایک بھی ایسا محقق و مصلح پیدا نہیں ہوا جو غلط اسلامی تاریخ کی تصحیح و اصلاح کرتا، یہ کارِ عظیم عباسی صاحب کے لئے مقدر تھا۔ عباسی صاحب کا مقصد ہے یزید کو امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین ثابت کرنا اور اس کی حکومت کو خلافتِ راشدہ۔ عباسی صاحب نے یہاں تک جو کچھ لکھا ہے وہ ہے "خلافتِ اموی کا پس منظر" اس حصے میں آپ نے دیکھا کہ عباسی صاحب نے کیا کچھ لکھا ہے اور کس دیانت و راستبازی کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ برحق نہ تھے، آپ کی خلافت غلط کار لوگوں کے ذریعہ غلط بنیاد پر قائم ہوئی تھی، مہاجرین و انصار صحابہؓ اور خود آپ کے اعزہ و اقربا آپ کے خلاف تھے، آپ میں خلافت کی صلاحیت و اہلیت نہ تھی، آپ سبائیوں کے آلۂ کار تھے اسی لئے صحابہؓ نے آپ کو معزول کر کے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی جو خلافت کے جائز مستحق اور اس کے ہر طرح اہل اور سزاوار تھے۔ اب عباسی صاحب کے سامنے یزید کی ولیعہدی کا مرحلہ ہے اس لئے ایک خاص انداز سے یزید کو منظر عام پر لایا جا رہا ہے، اور اس کے فضائل و محاسن بیان

کرکے اس کے کردار کو ایسا اجار ہا ہے تاکہ ولی عہدی کا مرحلہ آتے آتے وہ انتہائی اعلیٰ اور ممتاز شخصیت بن جائے کہ اس کی ولیعہدی سے کسی کے دل میں کوئی کھٹک ہی پیدا نہ ہو اور یہ سوال ہی پیدا نہ ہو کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں خلفائے راشدین کی سنت کیخلاف قیصر وکسریٰ کے طریق پر حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو اسلامی خلافت کا وارث و جانشین کیسے بنادیا؟ عباسی صاحب یہاں سے اسی مقصد کے پیش نظر یزید کے جعلی فضائل و محاسن کا سلسلہ شروع کررہے ہیں۔

جہاد قسطنطنیہ میں یزید کی امارت

حضرت امیر معاویہؓ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج بھیجی تو اس کا امیر اور سپہ سالار یزید کو بنا کر بھیجا۔ محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کی اس امارت و سپہ سالاری کی بنا پر دو صورتوں سے اس کی فضیلت و بزرگی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ایک صورت تو یہ کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو فوج کی امارت و سپہ سالاری کے منصب پر مامور کیا، خود یزید کی زیر امارت و قیادت فوج میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوایوب انصاری اور خود حضرت حسین رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ دوسری صورت یہ کہ اس فوج کشی کی خبر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور اس مہم پر جانے والی فوج کے لئے حدیث میں مغفرت کی بشارت موجود ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے یزید کا مغفور اور جنتی ہونا قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث یہ ہے:۔ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (بخاری)

ترجمہ:۔ میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریگی ان کیلئے مغفرت ہے۔ (ص ۲۲)

عباسی صاحب نے جن دو صورتوں سے یزید کی فضیلت ثابت کرنی چاہی ہے ان کی بحث سے پہلے ایک واقعہ ملاحظہ کر لیجیے۔ اس سے آپ کو جہادِ قسطنطنیہ کا امیر مقرر کرنے کا اصل راز

معلوم ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی دوسرے رازوں کا بھی علم ہو جائے گا۔ قاضی اظہر صاحب مبارک پوری نے اپنی تنقید میں علامہ ابن کثیر کی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" سے یہ واقعہ نقل کیا ہے جس کو ہم اپنے لفظوں میں پیش کر رہے ہیں۔

یزید کی ماں نے ایک روز یزید کے بالوں میں کنگھی کی اور اس کو بنایا سنوارا، یزید کو دیکھ کر اس کی سوتیلی ماں فاختہ بنت قرظہ کو اس پر رشک ہوا اور انھوں نے یزید پر آوازہ کشی بھی کی، ان کے بھی ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام عبداللہ تھا حضرت معاویہؓ یزید اور عبداللہ کے مزاج اور فطرت سے واقف تھے، انھوں نے اپنی بیوی فاختہ کو دونوں بیٹوں کا فرق دکھانے کے لئے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا، کہا۔ تمہاری جو بھی خواہش ہو کہو، میں اسے پورا کر دوں گا، اس نے کہا۔ مجھے ایک موٹا کتا اور ایک موٹا گدھا منگا دیجیے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنے پاس بلایا۔ کہا، تم کیا چاہتے ہو۔ تم بھی اپنی خواہش پیش کرو۔ وہ پوری کی جائے گی۔ یہ سنتے ہی یزید سجدے میں گر پڑا، پھر سر اٹھا کر بولا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے امیر المومنین کے دل میں یہ خیال ڈالا اور اسے پورا کرنے کی آمادگی پیدا کی۔ یہ میری خواہش یہ ہے کہ آپ اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بنائیں، اور اس سال جہاد کے لئے مسلمانوں کی جو فوج بھیجیں مجھ کو اس کا سپہ سالار مقرر کریں۔ اور میں واپس آؤں تو مجھے حج کی اجازت دیں اور امیر حج بھی مجھی کو بنائیں اسکے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر شامی کے وظیفے میں دس دس دینار کا اضافہ کر دیں اور جمع بنی سہم اور بنی عدی کے یتیموں کا وظیفہ جاری کر دیں اور لوگوں کو بتائیں کہ یہ سب میری سفارش سے ہوا ہے۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں باپ بیٹے میں ہوئیں، حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی تمام باتوں کو منظور کرتے ہوئے فرطِ محبت سے یزید کا منھ چوم لیا۔

قد فعلت ذلك كله و قبل وجهه۔ — میں نے تیری تمام درخواستیں پوری کر دیں، یہ کہہ کر یزید کا منھ چوم لیا۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں اسی واقعے کا ایک جزو "البدایہ و النہایہ" ہی سے ایک موقع پر نقل کیا ہے، لیکن اس واقعہ کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس لئے کہ پھر باپ بیٹے کا راز درون طشت از بام ہو جاتا اور عباسی صاحب نے عنوان العنوان یزید کے جو جعلی فضائل و کمالات پیش کئے ہیں ان کی قلعی کھل جاتی، اس کے علاوہ بھی عباسی صاحب نے مغالطہ دہی کی ہے۔ اس کے محل پر اس کا انکشاف بھی کیا جائے گا۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے جو یزید کو جہاد قسطنطنیہ کا امیر العسکر بنایا اس کی وجہ یزید کی فضیلت و قابلیت نہ تھی بلکہ باپ بیٹے کا یہی عہد و پیمان تھا۔

عباسی صاحب نے یزید کے جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے کی بنا پر اسے صاحب فضل و کمال ثابت کرنے کی غرض سے منہاج السنۃ امام ابن تیمیہ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر جو فوج بھیجی گئی تھی اس کا سردار یزید تھا۔ اور حدیث میں مغفرت کی جو خبر ہے اس میں فوج کا ہر فرد شامل ہے۔ اقتباس کے آخر میں ہے۔

ويقال هذا ان يزيد انما غزا القسطنطنية لاجل هذا الحديث — یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی حدیث مغفرت کی خاطر ہی امیر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا،

عباسی صاحب نے اس مختصر سی عبارت کے ترجمہ تک میں ایک مخفی فریب سے کام لیا ہے "ويقال" کا ترجمہ ہونا چاہئے "کہا جاتا ہے" یعنی یہ بات خود ابن تیمیہ نہیں کہتے کہ یزید نے مغفرت کی رغبت سے جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی، کہا جاتا ہے۔ کون کہتا ہے؟ اس کا پتہ نہیں، مگر عباسی صاحب نے اس انداز سے ترجمہ کیا ہے گو امام تیمیہ ہی "یہ بھی کہتے ہیں"۔

ہم کہتے ہیں یہ قول کسی کا بھی ہو بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ حدیث شریف میں مغفرت کی بشارت امیر جیش کے لئے نہیں ہے جیش کے لئے ہے، اگر یزید کو مغفرت کی رغبت ہوتی تو اس کیلئے فوج کی شرکت کافی تھی۔ یزید کا امیر بننا اور بنانا تو اس عہد و پیمان کی بنا پر تھا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ اور مقصد تھا ولی عہدی کیلئے زمین ہموار کرنا اور یزید کو ابھارنا۔

اب آئیے ان دونوں صورتوں پر بھی غور کرلیں جو عباسی صاحب نے یزید کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے اختیار کی ہے۔ عباسی صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ بتایا ہے کہ یزید کی زیر قیادت فوج میں حضرت امام حسین حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ شامل تھے۔ یہ حضرات اخلاق و عمل، فضل و کمال، تقویٰ و تقدس ہر بات میں یزید سے افضل تھے، اور ان میں کتنے حضرات جنگی مہارت و تجربہ یزید سے زیادہ رکھتے تھے جن کے مقابلے میں یزید صفر کی حیثیت رکھتا تھا، اسلئے سوال یہ ہے کہ ان جلیل القدر صحابہؓ کے مقابلے میں یزید کس بات میں افضل تھا جس کی بنا پر اس کی امارت کو ہم اس کی فضیلت کی دلیل مانیں۔

حضرت امیر معاویہ ایسے اکابر صحابہ میں سے کسی کو امیر نہیں بناتے، ان کی نظر انتخاب پڑتی ہے۔ تو اپنے صاحبزادے یزید پر اسے فرزند نوازی کے علاوہ اور کیا کہا جائے؟ آپ کو کہیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی وہ امارت یاد نہ آجائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلے کے لئے فوج ترتیب دے کر حضرت اسامہؓ کو عطا فرمائی تھی۔ اس فوج میں بھی بڑے بڑے اکابر صحابہ شامل تھے۔ اگر حضرت معاویہ کے سامنے حضرت اسامہ ہی جیسے کوئی بزرگ ہوتے اور آپ ان کو امیر مقرر کرتے تو پھر کہنا ہی کیا تھا۔ ہم کتنے فخر کے ساتھ حضرت اسامہؓ کی امارت کو دنیا کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں کہ اسلام کتنا انسانیت نواز ہے جو غلام زادوں کو اسطرح نوازتا اور

سرفراز کرتا ہے لیکن حضرت معاویہؓ اور یزید کی مثال تو اسلام کی اس امتیازی اسپرٹ کے سراسر منافی ہے کہ باپ قابلِ احترام اور جلیل القدر صحابہؓ کے ہوتے ہوئے بیٹے کو ان پر سردار مقرر کرتا ہے۔

اب آئیے، اس بات کو دیکھیں کہ محدثین کرامؒ بربنائے حدیث یزید کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

عباسی صاحب نے علامہ ابنِ کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ـــــ "ابوایوب انصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ انھوں نے یزید کو (نمازِ جنازہ پڑھانے کی) وصیت کی، اور اس نے نمازِ جنازہ پڑھائی" (ص۲۷)

مگر یہ کوئی خاص بات نہیں، جب یزید امیرِ فوج ہی تھا تو اس کو یہ وصیت کی ہی جا سکتی تھی۔ قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ علامہ ابنِ کثیر کی ابتدائی بات تو عباسی صاحب نے نقل کی اور علامہ کے مقصدِ بیان کو سرے سے اڑا دیا۔ اور یہی عباسی صاحب کا فنِ خصوصی ہے، جس کا یہ کتاب شاہکار ہے۔ علامہ کی ضروری عبارت یہ ہے۔

عَنْ اَبِی اَیُّوبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ قَالَ حِیْنَ حَضَرَتْہُ الْوَفَاۃُ قَدْ کُنْتُ کَتَمْتُ عَنْکُمْ شَیْئًا سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْلَا اَنَّکُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللّٰہُ قَوْمًا یُذْنِبُوْنَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ ـــ وَ عِنْدِی اَنَّ ھٰذَا الْحَدِیْثَ وَالَّذِی قَبْلَہٗ حَمَلَ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَۃَ عَلٰی طَرَفٍ مِنَ الْاِرْجَاءِ وَرَکِبَ بِسَبَبِہٖ

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا۔ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا، جو میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو مرتکب گناہ ہوتی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت سے نوازے ـــــ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا جَعَلَہُ اللّٰہُ فِی

أفعل كثيرًا ثم انكبت عليه سنذكره في ترجمته والله۔ (البدایۃ والنہایہ ص۵۹ جلد ۸ ۔ ماخوذ از مقالہ عزیز احمد قاسمی ۔ "الجمعیۃ" دہلی ۲۹ نومبر ۵۹ء)

الجنۃ[1]" کے ظاہری الفاظ نے یزید بن معاویہؓ کو مغفرت کی (غلط) امید کی طرف جھکا دیا۔ اور اسی سبب سے وہ بہت سے ایسے اعمال کا مرتکب ہوا جس کو سب نے برا قرار دیا، جیسا کہ ہم یزید کے تذکرہ میں بیان کریں گے۔

دیکھی آپ نے عباسی صاحب کی اعجوبہ گری؟ علامہ ابن کثیر نے جو بات یزید کی مذمت میں تحریر فرمائی ہے، عباسی صاحب نے اسی کو الٹ کر یزید کی مدح بنا دیا ہے، اس استادانہ اصلاح کی داد تو کچھ وہی دے سکتا ہے جو ان کا استاذ الاستاذ ہو، اب یہ پتہ نہیں کہ مولانا عامر عثمانی اور عباسی صاحب میں باہم کیا رشتہ ہے؟

ایک اور جلیل القدر محدث کی رائے ملاحظہ ہو۔ عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے، محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر (حاشیہ صحیح بخاری جلد ۱ ص۴۱۰)

اس حدیث کے بارے میں محدث المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت معاویہؓ کی انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند امیر یزید کی کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ ص۲۳

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ یزید حضرت ایوب انصاریؓ کی عیادت کو گیا تو آپ نے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی۔ "مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ" یہ حدیث اب تک آپ نے کسی سے بیان نہیں کی تھی۔

عباسی صاحب نے امام ابن حجر کی فتح الباری کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے آپ نے کیا سمجھا؟ یہی نا کہ امام صاحب کے نزدیک حدیث زیر بحث سے یزید کی فضیلت و منقبت ثابت ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، عباسی صاحب نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔ امام ابن حجر نے محدث مُہلب کی رائے نقل کر کے اس کے بعد ہی اس کی تنقید و تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وتعقبه ابن التين و ابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم ان قوله صلى الله عليه وسلم مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقاً فدل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه۔ واما قول ابن التين ان يكون يحضر فمردود الا ان يريد لم يباشر القتال فيمكن فانه

اور محدث: ابن تینؒ اور محدث ابن منیرؒ نے مہلب کے اس قول (مذکورۂ بالا) کا تعاقب کر کے اس پر اعتراض کیا ہے ان دونوں محدثین کے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ یزید کے حدیث کے عام حکم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس دلیلِ خاص سے خارج نہ ہو سکے، کیوں اس بات پر علماء میں اختلاف نہیں ہے (یعنی یہ امر سب کے نزدیک مسلّم ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مغفور لہم" اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اہلِ مغفرت میں سے ہوں، یہاں تک کہ جن لوگوں نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا ان میں سے کوئی شخص اس جہاد کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس حکمِ عام مغفور لہم میں باتفاق داخل نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ مغفور لہم سے مراد وہی شخص ہوگا جس میں مجاہدین قسطنطنیہ میں سے مغفرت کی شرط موجود ہو، رہا ابن تین کا یہ کہنا کہ ہو سکتا ہے یزید جہادِ قسطنطنیہ میں حاضر نہ رہا ہو سو یہ ناقابلِ قبول

كَانَ أَمِيْرُ ذٰلِكَ فِي الْجَيْشِ بِالْاِتِّفَاقِ (فتح الباری جلد ۱ ص ۷۳۱ طبع مصر) ہے، البتہ اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ یزید قتال (یعنی براہِ راست جنگ) میں شریک نہ ہوا ہو تو یہ ممکن ہے کیونکہ وہ بالاتفاق اس لشکر کا (سپاہی نہ تھا) امیر تھا۔

اس تفصیل سے دو باتیں بہت خاص معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ فتح الباری کی اس عبارت سے واضح ہے کہ علامہ ابن حجر کے نزدیک محدث مہلب کی رائے غلط ہے، اور ان کے نزدیک صحیح رائے محدث ابنِ تین اور ابنِ منیر کی ہے، دوسری بات اس سے بھی خاص یہ معلوم ہوئی کہ یزید کی بخشائش کا مسئلہ ہمیشہ سے زیرِ بحث رہا ہے، اور اکابرینِ سلف نے اسکی بخشائش کے خلاف جرح وقدح کی ہے۔ خود علامہ ابنِ حجر کا رجحان بھی مہلب کے برعکس ابنِ تین اور ابنِ منیر کی حمایت میں ہے۔

جناب عباسی صاحب نے یزید کی بزرگی کی شہادت دینے کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پیش کیا ہے، یعنی ان کے ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا ہے۔ اس اقتباس کے سلسلے میں ذرا عباسی صاحب کی فن کاری ملاحظہ فرمائیے۔

> "تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ (جنگِ قسطنطنیہ وغیرہ) میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ آمیز اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

یہ صورت تو ہے عباسی صاحب کی پیش کردہ عبارت کی۔ مگر اس کی اصل صورت یہ ہے "تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے، اس کے فسق وفجور کا ظہور ان کے (یعنی معاویہ کے) سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں کرتا تھا ان کی ان کو اطلاع نہ تھی۔ خود یزید کے متعلق بھی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے

خالی نہیں، ؎ ۱ مکتوب شیخ الاسلام جلد ا صلا ۲

چونکہ عباسی صاحب نے نہایت شرح وبسط اور حوالوں کی زینت و آرائش کے ساتھ یزید کو پیکر تقوی و تقدس ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس لئے مولانا مدنی رح کے مکتوب میں یزید کے فسق و فجور اور محترم باپ کی نظروں سے چھپ چھپ کر بداعمالیوں کے ارتکاب پر جو شہادت موجود ہے اسے کس صفائی کے ساتھ صاف کر دیا،

باپ سے چھپ چھپ کر فسق و فجور کرنے والے ممدوح کے مداح کو کم از کم آشنا فن کار اور صاف دست تو ہونا ہی چاہیئے۔ لیکن شاید عباسی صاحب کو معلوم نہیں کہ یزید کے فسق و فجور کی اتنی متواتر شہادتیں ہیں کہ عباسی صاحب کی ساری تحقیق حرف غلط ہو کر رہ جائے گی، اور ان کی وکالت یزید کو گرفت سے بچا نہ سکے گی، اس کے علاوہ یزید کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے، آخر عباسی صاحب کس کس جرم کی صفائی دیں گے۔ اور کہاں تک حق وکالت ادا کریں گے۔؟ وہ یزید کو کچھ فائدہ تو پہنچا نہ سکیں گے، انھوں نے بیٹھے بٹھائے اس کو جرح و تنقید کی عدالت میں کھینچ لاکر اس کی مزید رسوائی ہی کا سامان کیا ہے۔ یزید کی روح کہتی ہوگی۔

ع ؎ تم عنایت جو نہ کرتے تو عنایت ہوتی

یزید کی امارت حج یزید محمود احمد صاحب عباسی کا محبوب و محترم ہیرو ہے، موصوف اس کو اچھالنے اور بانس پر چڑھانے کیلئے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسی چیزیں لائے ہیں اور ان کو سلیقے کے ساتھ کتاب کے صفحات پر آراستہ کیا ہے جن سے یزید کی فضیلت و بزرگی کی نمائش ہو، ایسی ہی چیزوں میں سے ایک چیز یزید کی امارت حج ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب باہتمام خاص لکھتے ہیں "امیر یزید نے تین بار امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا، یعنی سنہ ۵۱ھ سنہ ۵۲ھ اور سنہ ۵۳ھ میں"..... مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارت حج ایک

منصبِ جلیل تھا، فتح مکہ ۸ھ کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ نے حضورؐ کے ساتھ پہلا اور اپنی حیاتِ مبارکہ کا آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے، اس میں آپ ہی امیر الحج تھے، آپ کی وفات کے بعد خلفائے وقت خود ہی امیر حج ہوتے، یا اپنے نائبین کو جو علم و تقویٰ و فنِ خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے امیر الحج مقرر کرتے، خلفائے راشدینؓ میں سے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ، اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کیلئے تشریف لے جاتے اور امیر حج کے فرائض انجام دیتے، اطراف و اکنافِ عالمِ اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے کیلئے مجتمع ہوتے خطباتِ امرائے حج سے مستفیض ہوتے ......" (صفحہ ۳۰ و ۳۱)

عباسی صاحب نے جس اہتمام سے یزید کی امارتِ حج کو پیش کیا ہے۔ اس سے بلاشبہ ان کے ممدوح اور امامِ برحق کی شان چمک سی گئی ہے، لیکن انھوں نے اس حقیقت کو سرے سے پیش نظر نہیں رکھا کہ اس بیان کا حضرت امیر معاویہؓ کی پوزیشن پر کیا اثر پڑے گا؟ اور جو شخص دینی نقطۂ نظر سے اس چیز پر غور کرے گا اس کے دل میں کس قسم کا تاثر پیدا ہوگا۔؟

خود عباسی صاحب نے ہمیں کیا بتایا ہے؟ منصب امارتِ حج وہ منصب جلیل ہے جس پر حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب سے بزرگ صحابی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا اور خود بنفسِ نفیس اس منصب کے فرائض انجام دیے، خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی اپنے اپنے عہدِ خلافت میں خود اس منصب کے فرائض انجام دیتے رہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی بجائے حضرت علیؓ کو اس منصب پر مامور نہیں فرمایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذی النورینؓ نے بھی کبھی اپنے صاحبزادوں کو یہ منصب تفویض نہیں فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو مسلسل تین سال تک اس مقدس منصب پر مامور

کر کے کس کی سنت کی پیروی فرمائی؟ عباسی صاحب ہی کے الفاظ ہیں "خلفائے وقت خود ہی امیرِ حج ہوتے یا اپنے نائبین کو جو علم و تقویٰ وفنِ خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے امیرِ حج مقرر کرتے" تو کیا حضرت امیر معاویہؓ کے وقت میں ملتِ اسلامیہ میں اتنا قحط الرجال ہو چکا تھا کہ علم و تقویٰ اور فنِ خطابت میں یزید کی شان کا کوئی دوسرا موجود ہی نہ تھا؟ نہیں ایسا نہیں تھا اس کو مجھ سے نہیں عباسی صاحب ہی سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

"اس زمانے میں ..... بلند اور ممتاز ہستیاں اصحابِ عشرہ مبشرہ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان اور دیگر معمر صحابہ کی بہ تعداد کثیر موجود تھیں، راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصر تذکرہ لکھا ہے، جو امیر یزید کے ولایتِ عہد میں اور زمانہ خلافت بلکہ اس کے بعد تک بقیدِ حیات تھے"۔ (صفحہ ۲۷)

جب حقیقتِ حال یہ تھی تو میں یہاں عباسی صاحب سے نہیں۔ ان کے ہم نوا مولانا عامر عثمانی سے دریافت کروں گا جن کے سامنے مستفتیوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے اور جو فتویٰ دیتے ہوئے نہیں تھکتے کہ مولانا! حضرت امیر معاویہؓ کا اصحاب مبشرہ، اصحابِ بدر اور اصحابِ شجرہ کی ایک کثیر تعداد کی موجودگی میں متواتر تین برس تک اپنے صاحبزادے یزید ہی کو امیرِ حج بنا کر بھیجنا کس کے اسوہ کی پیروی تھی؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ہدفِ جرح و قدح بناتے ہوئے بنی ہاشم کو تو آپ کے جوجی میں آیا ہے فرما گئے ہیں، آخر یہ کیا ہے؟ اسلام کی جمہوری حکومت کو اموی حکومت بنانے کیلئے زمین ہموار کرنا یا کچھ اور؟

کاش محمود احمد صاحب دور تک سوچ سکتے اور یزید کی امارتِ حج کے تذکرے کو قلم انداز کر دیتے، اور کاش مولانا عثمانی کو اموی تعصب اتنا محروم بصیرت نہ کر دیتا کہ کھلی ہوئی حقیقتوں کو دیکھ نہیں سکتے، اگر ایسا ہوتا تو "خلافتِ معاویہ و یزید" جیسی کتاب کے سب سے زیادہ مخالف وہ ہوتے

حقیقت تو یہ ہے کہ یزید کی امارتِ حج کا مقصد بھی وہی تھا جو امارتِ جہادِ قسطنطنیہ کا، اور جس کا یزید حضرت معاویہؓ سے عہد لے چکا تھا۔

یزید کی ولی عہدی

یزید کی ولی عہدی تاریخ اسلام کا ایک المناک اور غم انگیز واقعہ ہے، اسلام نے قیصر و کسریٰ کی خاندانی اور شخصی طرزِ حکومت کا خاتمہ کر کے ایک اصولی اور جمہوری حکومت کی مثال دنیا میں قائم کی تھی، جو خلافتِ راشدہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ جیسے مقدس ناموں سے یاد کی جاتی تھی، یزید کی ولیعہدی اس اصولی اسلامی جمہوریت یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر قیصریت کے دوبارہ فتح و غلبہ کا اعلان تھی، حکیم الاسلام اقبالؒ نے اسی حقیقت کو اپنی اس رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے۔

عرب خود را بنورِ مصطفےٰ سوخت | چراغِ مردۂ مشرق بر افروخت!
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد | کہ اول مومناں را شاہی آموخت

لیکن محمود احمد عباسی صاحب نے اس قیصر و کسریٰ کی سنت کے احیاء پر دل کھول کر جشن مسرت منایا ہے۔ اور یزید کی ولی عہدی کی داستان کو خوب دل کھول کر لکھا ہے۔ ما حصل جو

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ جہاں تک یزید کی اہلیت و قابلیت کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک مسلّم تھی (صت ۳۲)

(۲) لیکن اس مسئلے میں پیچیدگی اس لئے پیدا ہو رہی تھی کہ خلافت باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ پڑ جائے۔ اس لئے معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پر غور کرنے کیلئے یہ شرط رکھی کہ تمام ممالک کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ

دیں ۔(صـ۳۳)

(۳) یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی، عراقی بھی تھے اور انھوں نے بھی ولی عہدی کیلئے یزید کا نام پیش کیا اور بھاری اکثریت سے فیصلہ ہوا کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے۔

(۴) اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود حضرت معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ آپ کو یہ اطلاع تھی کہ بعض قریشی یزید کی ولی عہدی سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ حج وزیارت کے موقع پر آپ نے اس مسئلہ پر یکسوئی حاصل کرنے کیلئے سفر کیا، سب نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا، اور منظوری دے دی۔ (صـ۳۳-۳۴)

(۵) ہزاروں لاکھوں کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس زمانہ میں اصحابِ عشرۂ مبشرہ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان، اور دیگر معمر صحابہؓ کی کثیر تعداد موجود تھی، ان میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، ان جلیل القدر صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ، اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا؟ اور کتاب وسنت کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔؟ (صـ۳۵ تا صـ۳۷)

(۶) یزید کی ولی عہدی کی تائید میں علامہ ابن خلدون کی رائے۔

اب ہماری جامع بحث ملاحظہ فرمائیے جو اوپر کی تمام شقوں پر حاوی ہے ــــ

عباسی صاحب نے یزید کی ولی عہدی کی صحت کے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ محض ڈھونگ ہیں۔ یزید کی ولیعہدی کا معاملہ حضرت معاویہؓ کا ایک طے شدہ فیصلہ تھا، اس فیصلے کو انھیں بہر حال اور بہر نہج عملی جامہ پہنانا تھا، انھوں نے پہنا کر چھوڑا، ولی عہدی کا معاملہ حضرت معاویہؓ اور یزید کے درمیان بہت پہلے طے پا چکا تھا، جس کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ کی "البدایہ والنہایہ" کے حوالے سے ہم یزید کی امارتِ جہادِ قسطنطنیہ کی بحث میں ایک واقعہ نقل کر آئے ہیں، عباسی صاحب اس واقعہ کو غلط بھی ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ اسی واقعہ کا ایک جزر "کردار یزید" کی بحث میں خود عباسی صاحب بھی نقل کر چکے ہیں: (صـ۴۶)

اس معاملہ کے درمیان میں صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم کو درمیان میں لانا اور یہ کہنا کہ یزید کی ولیعہدی غلط ہوتی تو وہ خاموش نہ رہتے صحابہؓ کے ساتھ زیادتی ہے، ان کی حق پرستی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ وہ ہر وقت قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھے رہتے تھے، اور بات بات پر شمشیر برہنہ ہو جاتے تھے، انھوں نے جنگ جمل اور جنگِ صفین کو دیکھا تھا، ان میدانوں سے اب تک خون کی بو آتی تھی، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف و نزاع کے فیصلے کیلئے جو ثالثی قائم ہوئی تھی اس نے جس طرح فیصلہ کیا تھا وہ بھی ان کی نظروں میں تھا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا، کن حالات میں ان کو خلافت سے دست بردار ہونا پڑا تھا، یہ ان کیلئے کل کا واقعہ تھا، اب تو پوری مملکتِ اسلامیہ کے حضرت معاویہؓ واحد فرماں روا تھے۔ ان کے مقابلے میں کوئی چوں کرنے والا نہ تھا، خلافتِ راشدہ کے دور کی جمہوریت بھی ختم ہو چکی تھی جب ایک ادنیٰ مسلمان بھی ایک خلیفۂ راشد پر تنقید کر سکتا تھا، ایسی حالت میں ولی عہدی کے مسئلے پر مطلق رائے طلبی نہیں ہوتی بلکہ یزید کو ولی عہد نامزد کر کے استصوابِ رائے کیا جاتا ہے صوبوں پر شاہی دربار کے امراء کی حکومت ہے، صوبوں میں نمائندوں کا پبلک انتخاب نہیں ہوتا، ہر صوبے کا گورنر خود نمائندے منتخب کرتا ہے اور وفد دمشق بھیجتا ہے کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ صوبوں سے آئے ہوئے وفود کے نمائندے یزید کے حق میں رائے نہ دے کر امام حسین رضی اللہ عنہ یا حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عبد اللہ بن عمر یا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم یا اصحاب بدر یا اصحاب بیعتِ رضواں میں سے کسی کا نام پیش کریں؟ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے خاموشی کے سوا چارہ کیا تھا؟ حالات نے صحابہ کرامؓ کو جس شکنجے میں ڈال دیا تھا اسے علامہ ابن کثیر سے سنئے۔

شام میں بیعتِ یزید کی تقریب ہے۔ صوبوں کے وفود حاضر ہیں۔ صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔ بعد کی حالت علامہ ابن کثیرؒ اس طرح لکھتے ہیں۔

ثم خطب معاویة وهو لاء حضور　　　پھر امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا، اور لوگ ان کے منبر

تحت منبرہ وبایع الناس لیزید	کے نیچے حاضر تھے، لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت
وھم قعود لم یوافقوا ولم یظھروا	کی، اور یہ صحابہ خاموش) بیٹھے رہے، نہ موافقت
خلافا لما تھددھم وتوعدھم	کی اور نہ اظہار مخالفت کیا۔ اس لئے کہ انکو پہلے ہی)
فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد	ڈرا اور دھمکا دیا گیا تھا، چنانچہ تمام شہروں میں
ووفدت الوفود من سائر الاقالیم	بیعت ہوگئی اور تمام بڑے بڑے صوبوں کے وفود (بیعت
الی یزید (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۸۰)	کیلئے) یزید کے پاس آنے لگے،

دیکھا آپ نے، صحابہؓ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا؟ اور یزید کی بیعت کے وقت صحابہؓ کس پوزیشن میں تھے؟ لیکن عباسی صاحب کی ابن کثیر کے ساتھ خیانت، اور صحابہؓ کے ساتھ ظلم دیکھئے کہ وہ یزید کی بیعت کی کارروائی اس انداز میں لکھتے ہیں گویا صحابہ کرامؓ کی رضامندی اور ان کی تحریک وتائید ہی سے یزید کی بیعت ہوئی۔ اور صحابہؓ بیعت میں پیش پیش تھے، اس غلط بیانی اور تہمت تراشی کیلئے عباسی صاحب نے کیا یہ ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ کے بیان کا وہ حصہ جو صحابہ کرامؓ کے متعلق ہے اس کو توچرا لیا ہے، صرف اپنے مقصد کے مطابق یہ حصہ دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید

عباسی صاحب کی یہ چوری مولانا اویس ندوی استاد تفسیر دار العلوم ندوہ نے پکڑی ہے۔ (صدق جدید لکھنؤ ۲۰ نومبر ۵۹ء)

یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ کیسے طے ہوا، اس کے متعلق مولانا معین الدین ندوی کا بیان پڑھئے، وہ خود حضرت معاویہؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"۵۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی، امیر معاویہ نے قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتیں حائل تھیں، اسلام کا نظام جمہوری ہے، خلفاء اکابر مہاجرین و انصار کے مشورے سے منتخب ہوتے تھے، اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل ناآشنا تھے، گو اس زمانہ میں بہت سے

اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی تاہم بعض جانشینانِ بساطِ نبوت موجود تھے، اس لئے قطع نظر
توارث کی بدعت کے، صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی صحابہؓ کے ہوتے ہوئے خلافت کیلئے
یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جاسکتا تھا، اور گو عہدِ رسالت کے بُعد اور نظامِ خلافت کی برہمی کی
وجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا، تاہم ابھی عہدِ رسالت کے جمہوری نظام
کو دیکھنے والے موجود تھے، اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہیں ہوئی تھی، اور ابھی کھلے خطا و ثواب
میں حق و باطل کی تمیز باقی تھی کہ یزید کا نام خلافت کیلئے پیش کیا جاتا اور مسلمان اس کو آسانی
سے قبول کرلیتے، لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کرکے یزید کی ولی عہدی
کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت مذہبی اور پولیٹیکل حیثیت سے مسلمانوں کے تین مرکز تھے، جن کی رضا
مندی پر انتخابِ خلیفہ کا دارومدار تھا، مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولیٹیکل حیثیت سے کوفہ اور
بصرہ۔ امیر معاویہؓ نے ولی عہدی کے فیصلے کے بعد ان تینوں مقاموں میں یزید کی ولی عہدی کی
بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم، مغیرہ بن شعبہ، اور زیاد بن ابی سفیان کے سپرد
کی۔ مغیرہ اور شعبہ نے حسنِ تدبیر سے کوفہ اور بصرہ کو درست کرلیا، اور یہاں کے عمائد کے وفود نے
امیر معاویہؓ کے پاس جاکر یزید کی ولی عہدی تسلیم کرلی، حجاز قلبِ اسلام تھا، اگرچہ اس وقت یہاں
بھی عہدِ رسالت کی بہار ختم ہوکر مذہبی روح مضمحل ہو چکی تھی، اکابر صحابہ اٹھ چکے تھے جو باقیات
الصالحات رہ گئے تھے وہ بھی گمنام گوشوں میں پڑے ہوئے تھے، لیکن ان بزرگوں کی اولادیں
جنھیں خود بھی شرفِ صحبت حاصل تھا موجود تھے، اور ان میں حق گوئی اور صداقت کا پہلو نمایاں
طور پر موجود تھا، خصوصاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین، اور عبدالرحمن بن ابوبکر
رضی اللہ عنہم اپنے اسلافِ کرام کے نمونے موجود تھے، اس لئے جب مروان نے ان کے سامنے
یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح
اپنے بیٹے یزید کو خلافت کیلئے نامزد کر جائیں۔ تو عبدالرحمن نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت
نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، ان دونوں میں سے کسی نے ابھی اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا

بلکہ اپنے خاندان تک کو اس سے دور رکھا، ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا، مروان نے یہ رنگ دیکھا تو امیر معاویہؓ کو اسکی اطلاع دی، چنانچہ یہ خود آئے اور مکہ اور مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس بارے میں کہ امیر معاویہؓ نے بیعت کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔"

اس کے بعد مولانا معین الدین ندوی نے امام طبری اور ابن اثیر کے بیان نقل کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہما کی طرف سے حضرت معاویہؓ پر سخت اعتراضات ہوئے۔ اور انھوں نے اس ولی عہدی کو صدیق و فاروق کی نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کی سنت قرار دیا، لیکن معاویہؓ سے انحراف کی طاقت کس میں تھی، کچھ کو نرمی سے سمجھا کر اور کچھ کو دھمکی سے ڈرا کر یعنی جو طریقہ کار دمشق میں اختیار کیا گیا تھا اس سے مدینہ میں بھی کام لے لیا گیا۔ مولانا ندوی حاصلِ کلام کے طور پر لکھتے ہیں،

"غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روح کا خاتمہ کر دیا۔" (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۶۹ وغیرہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بیعتِ یزید کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد کا نقطۂ نظر بھی پیش کر دیا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں ۔۔۔

"امیر معاویہ کے عامل نے جب یزید کی نسبت مدینہ میں خطبہ پڑھا، اور کہا خلافت کیلئے امیر المومنین یزید حسبِ سنتِ اسلام خلیفہ ہوتے ہیں تو فوراً ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر علانیہ کہہ دیا۔۔۔ "تم جھوٹے ہو، اسلام سے اس استبداد اور وراثت کو کیا تعلق؟ یوں کہو کہ وہ شاہانِ روم و فارس کی طرح بادشاہ ہوتا ہے"۔ یہ واقعہ تمام تاریخوں میں موجود اور مشہور ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی رئیس کا تقرر اگر بہ شکلِ انتخاب نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے نزدیک امام اسلام نہیں ہو سکتا، بلکہ قیصر و کسریٰ اسلام سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مشہور حدیث میں اسی قسم کی حکومت کو ملکِ عضوض فرمایا ہے۔ اسی لئے حضرت

عمرؓ نے انتقال کے وقت اعلان فرمادیا کہ "میرے بیٹے عبداللہؓ کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں"۔

"خلافتِ راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دورِ فتن و بدعات شروع ہوتا ہے۔ جنھوں نے نظامِ حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کردیں، تاہم جب انھیں میں قامعِ بدعت، محی السنۃ، حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے تو گو حسبِ سنت ملکِ عضوض سلیمان بن عبدالملک نے انھیں اپنا جانشین مقرر کردیا، تاہم از روئے شریعتِ اسلام کسی امام کے نصب کیلئے اس قدر کافی نہ تھا، اس لئے انھوں نے مسجدِ عام میں فرمادیا مسلمانو! چونکہ از روئے اسلام تمہارے انتخاب عام سے میرا تعین نہیں ہوا اس لئے میں خلیفہ نہیں ہوں، تمہیں حق ہے کہ میرے سوا کسی اور کا انتخاب کرلو۔ ان کے اصل الفاظ یہ تھے۔

أيها الناس! اني ابتليت بهذا الامر من غير رأي مني ولا مشورة من المسلمين واني قد خلعت ما في اعناقكم من بيعتي فاختاروا لانفسكم غيري۔

لوگو! میں اپنی رائے اور خواہش اور مسلمانوں کے عام مشورے کے بغیر عذابِ امامت میں مبتلا ہوگیا ہوں اس لئے میں تم کو اپنی بیعت کے بار سے سبکدوش کرتا ہوں اب تم اپنی رائے میں بالکل مختار ہو۔ میرے سوا جس کو چاہو اپنا امام بنالو۔

(نظامِ حکومتِ اسلامیہ۔ مطبوعہ شمیم بکڈپو لاہور)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے متعلق عباسی صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ یزید کی ولی عہدی سے تین سال قبل انتقال کرچکے تھے، (ص۳۵) اس دعوی کو انھوں نے ص۱۱۱ میں بھی دہرایا ہے۔ مگر اس دعوی کی سند دو مقام میں سے ایک مقام میں بھی پیش نہیں کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق دعوی کیا ہے کہ انھوں نے برضا و رغبت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی (ص۲۷)، لیکن عباسی صاحب کے وکیل علامہ ابن خلدون ان کے دعوے کی اس طرح تردید کرتے ہیں۔

"رہا یہ مسئلہ کہ اگر ولی عہدی حق تھی تو عبداللہ بن عمرؓ اس موقع سے کیوں ٹل گئے؟ اور بچ کر چل دئے تو اس کی وجہ درحقیقت یہ تھی کہ یہ اپنے تقوی اور ورع کی بنا پر ہر مباح و ناجائز

بات سے بچنا چاہتے تھے، اور کسی قسم کا حصہ لینا نہیں چاہتے تھے۔ (ترجمہ ابن خلدون ۲)

علامہ ابن خلدون نے عباسی صاحب کی تردید ہی نہیں کی۔ ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت ورع و تقویٰ کے خلاف تھی، انھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں "جب یزید کی ولی عہدی کیلئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت طلب کی گئی تو انھوں نے کہا۔ لا ابایع لامیرین۔ میں دو امیروں سے بیک وقت بیعت نہ کروں گا۔ یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں بیعت لینا بیک وقت دو امیروں کی بیعت ہے، جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں"۔ (حقیقت حکیم وفاع ص۲۵ شمیم بلڈپو لاہور)

اب حضرت علامہ شبلیؒ کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔

جب ولی عہد ہوا تختِ حکومت کا یزید
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور
وقت آیا تو چڑھا پایۂ منبر یہ خطیب
یہ نئی بات نہیں ہے۔ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ
اٹھ کے فرزندِ ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا
جھوٹ ہے یہ کہ، یہ ہے سنتِ بوبکرؓ و عمرؓ
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے؟
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے
شانِ اسلام سے ہے شخصیتِ ذاتی سے بعید

عاملِ یثرب و بطحا کو یہ پہونچے احکام
خطبہ پڑھتا ہے حریم نبوی میں جو امام
اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیر اسلام
جانشیں کر گئے جب موت کا پہونچا پیغام
سر بسر کذب ہے یہ اے خلفِ نسل مقام
ہاں مگر قیصر و کسریٰ کی یہ ہے سنتِ عام
ایسی بدعت کا نہیں مذہب اسلام میں نام
ورنہ اسلام تو ہے مجلسِ شوریٰ کا نظام
شرع میں سلطنتِ خاص ہے ممنوع و حرام

اس سے بھی قطع نظر نسلِ عرب ہیں ہم لوگ
وہ کوئی اور ہیں ہوتے ہیں جو نسلاً ہوں کے غلام

عباسی صاحب کا اصولِ بحث و نظریہ ہے کہ جس عالم یا مورخ کا بیان اپنے مقصد کے خلاف دیکھتے ہیں اس کو کاذب، مفتری، حاطب اللیل اور ایسے ہی کسی لقب سے

نواز دیتے ہیں۔ لیکن علامہ ابن خلدون ان کے مانے ہوئے امام المورخین ہیں۔ چنانچہ یزید کی ولی عہدی کی تائید میں انھوں نے سب سے بڑا اقتباس علامہ ابن خلدون کا دیا ہے۔

علامہ ابن خلدون کے مقدمہ میں یہ بحث بڑے سائز کے ۹ سے زائد صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے لیکن علامہ ابن خلدون یزید کے نہیں حضرت امیر معاویہؓ کے وکیل ہیں۔ اور ان کے بچائے میں انھوں نے یزید کی مٹی پلید کردی ہے۔ اگر عباسی صاحب کی کتاب کے ردو جواب میں صرف ابن خلدون کی یہ بحث نقل کردی جائے تو کتاب کا تین چوتھائی حصہ رد ہو جائے۔ آئندہ مباحث میں ہم اس کے کچھ حصے دیں گے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ علامہ ابن خلدون کے مقدمہ کے آئینے میں یزید کا حلیہ کیسا کچھ نظر آتا ہے۔ یہاں یزید کی ولی عہدی کی بحث کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو عباسی صاحب کا تسلیم کردہ ہے۔

علامہ ابن خلدون حضرت معاویہؓ کی تائید و حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے، اور پھر اس کو متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور اہل حل و عقد یزید ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے، کیونکہ وہ عموماً بنو امیہ سے تھے۔ اور بنو امیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے، اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ انھیں کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی"۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۶ ج۲)

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"اور یہ کہنا کہ ان کا یہ عمل خلفائے اربعہ کے عمل کے خلاف تھا، تو ان کی حالت و شان کو خلفائے اربعہ کی حالت و شان سے کیوں ملایا جائے؟ حضرات خلفاء، ظاہر ہے ایسے دور میں تھے [illegible] مطلق دخل نہ تھا، خلیفہ محض دینی و مذہبی آدمی ہوتا، اور دین ہی

کی روشنی میں اپنے ہر کام کو انجام دیتا۔ اسی لئے خلفا، اپنا ولیعہد صرف اسی کو بناتے جس کو دین و مذہب میں سب پر پیشوائی نصیب ہوتی۔ اور خلافت کا سہرا اسی کے سر باندھتے، اب ان کے بعد حضرت معاویہؓ کا زمانہ آیا تو زمانہ نے اپنا رنگ پلٹا، سلطنت کی آن بان بڑھی اور دینی حکومت کی شان گھٹی، اور اب ایسے فرماں روا کی ضرورت محسوس ہوئی جو سلطنت میں یکتا اور عصبیت میں بے ہمتا ہو۔ لہٰذا اگر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسندِ امامت پر لاتے تو ان کی امامت قبول کون کرتا، اور دیکھتے دیکھتے وہ ختم ہو جاتی، اور قوم اختلاف کا جو شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔"

علامہ ابن خلدون کی طویل دھواں دھار بحث کا مرکزی نقطہ یہی ہے، اس سے پہلے اور بعد انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی مجمل کا مفصل ہے۔ اس کا حاصل نکالئے تو صرف یہ نکلے گا کہ خلافتِ راشدہ کا دور ختم ہو چکا تھا، اب سلطنت و ملوکیت کا دور تھا اسلام کی جگہ بنی امیہ کی عصبیت لے چکی تھی، اس دور میں قیصر و کسریٰ کی سنت کی بجائے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کیا جاتا تو بنی امیہ کی عصبیت اسے کامیاب ہی نہ ہونے دیتی۔" جب صورتِ حال یہ تھی تو صحابہ کرام کی رضامندی و نارضامندی، ان کی منظوری و نامنظوری اور ان کے کلام و سکوت کا سوال ہی کیا تھا؟ عباسی صاحب تو کیا ہیں، علامہ ابن خلدون نے اس پہلو سے جتنی بحثیں کی ہیں ان کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔

عباسی صاحب نے یزید کی دین داری، اس کے زہد و ورع اور اس کے تقویٰ و تقدس کا اس زور سے ڈھول پیٹا کہ پاک و ہند کی زمین دہل گئی، لیکن ذرا دیکھئے حضرت امیر معاویہؓ کی صفائی پیش کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون کیا فرما رہے ہیں؟

"وہ فسق و فجور جو یزید سے اس کی خلافت کے عہد میں صادر ہوا کیا وہ بروقت تقرری ولی عہدی معاویہؓ کے علم میں تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ معاویہؓ کی شخصیت باعتبار فضیلت و عدالت اس قسم کی بدگمانی سے پاک ہے، وہ تو اپنے عینِ حیات میں یزید کو گانا سننے سے بھی

سے بھی رنگتے تھے۔ (ط۲۴)

دیکھا آپ نے! عباسی صاحب کے تقدس مآب امیر، امام اور بنی امیہ کے گل سرسبد یزید کے فسق و فجور کی نسبت علامہ ابن خلدون کیا فرما رہے ہیں؟ لیکن عباسی صاحب پوری ڈھٹائی سے ان لوگوں کو کذاب کہتے ہیں جو یزید کی طرف غنا اور موسیقی کی نسبت کرتے ہیں۔ (ص۵۱)

کوئی بتائے کہ ہم حضرت معاویہؓ کے وکیل اور عباسی صاحب کے امام المورخین کو جھوٹا مانیں یا عباسی صاحب کو؟

جس اموی عصبیت نے اسلام سے اس کا اقتدار چھین کر قیصریت جاری کردی وہ اتنی طاقت ور کیسے ہوگئی کہ اس کے سامنے حضرت معاویہؓ بھی بے بس ہوکر رہ گئے، اس میں خود حضرت معاویہؓ کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اس موقع پر ہم نے اسے بدلائل واقعات ثابت کیا تھا مگر افسوس کہ ہمیں ایسے وسائل میسر نہیں کہ ہم بحث کیلئے قلم کو آزاد چھوڑ دیں اور موٹی سے موٹی کتاب شائع کرسکیں، اس لئے ہم اتنے ہی اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

یزید کے جعلی فضائل کا دوسرا دور

عباسی صاحب نے یزید کے فضائل کا پہلا دور اس لئے قائم کیا تھا کہ اسے خلافت اسلامیہ کا مقدس و محترم ولی عہد ثابت کرسکیں، اب آگے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مرحلہ ہے اس لئے عباسی صاحب نے یہاں سے یزید کے فضائل و محامد کا دوسرا دور جاری کیا ہے تاکہ دنیا کو یہ دکھا سکیں کہ حضرت امامؓ اتنے غلط کار تھے کہ ایک ایسے مقدس خلیفۂ اسلام کے خلاف خروج کیا۔ اور مارے گئے،

تیرہ سو برس ہوگئے دنیائے اسلام میں کوئی یزید کا مداح نہیں ہوا، سانحۂ کربلا کے بعد سے تمام ائمہ و مشائخ، اولیاء و اصفیاء اور علماء و اکابر یزید کو بدترین انسان قرار دے رہے ہیں، اس طویل مدت میں کوئی یزید کا مداح پیدا ہوا تو وہ عباسی صاحب ہیں، اگر

یہ ممکن ہوتا کہ یزید پھر دنیا میں واپس آجاتا اور پھر یزیدی حکومت قائم ہو جاتی تو یزیدی دربار میں ابن زیاد، ابن سعد اور شمر سے عباسی صاحب کا مرتبہ کم نہ ہوتا۔ اغلب تو یہ ہے کہ آپ یزید کے پرائیوٹ سکریٹری یا پروپیگنڈہ منسٹر ہوتے،

یزید کا کردار یا بدکرداری

عباسی صاحب نے صفحہ تا صفحہ "کردار خلیفہ یزید" کے عنوان سے یزید کے جعلی کردار کی نمائش کی ہے، اور کوئی دھندلی سی چیز بھی ہاتھ آگئی ہے، تو اسے خوب چمکا کر پیش کیا ہے، چنانچہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے دو بیانات نقل کئے ہیں، ان میں کچھ الفاظ یزید کے متعلق بھی ہیں، پہلے بیان میں ہے۔ ابنہ یزید من صالحی اھلہ۔ معاویہؓ کا بیٹا یزید اپنے خاندان میں ایک صالح آدمی ہے۔ دوسرے بیان میں ہے ابنہ خیر اھلہ معاویہؓ کا بیٹا اپنے خاندان میں نیک آدمی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے ان لفظوں سے یزید کی کوئی فضیلت و بزرگی ثابت نہیں ہوتی، حضرت ابن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ یزید امت کے صلحاء اور نیکو کاروں میں ہے، اسکو اپنے خاندان کا صالح اور نیکو کار فرمایا تو یہ کون سی بڑی بات ہوئی۔ پھر یزید کی یہ حالت بھی حضرت معاویہؓ کی وفات کے وقت رہی ہوگی، ہم عباسی صاحب کے معتمد علیہ مورخ علامہ ابن خلدون کا بیان تو اوپر نقل کر آئے ہیں کہ یزید گانا تو حضرت معاویہؓ کے زمانے میں بھی سنتا تھا اور ان کے بعد تو فسق و فجور میں ڈوب گیا،

عباسی صاحب نے اسی سلسلے میں حضرت ابن الحنفیہؓ کا بھی ایک بیان نقل کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابن الحنفیہؓ یزید کے یہاں جاتے، قیام فرماتے، آپ دیکھتے کہ یزید پابندی سے نماز پڑھتا ہے، نیکی کے کام کرتا ہے، فقہی مسائل پر گفتگو کرتا ہے، اور سنت کا پابند ہے، (صـ۳۱۳)

عباسی صاحب نے حضرت ابن الحنفیہؓ کا یہ بیان "البدایہ والنہایہ" کے حوالے سے نقل کیا ہے

اور اسی "البدایہ والنہایہ" کے مصنف علامہ ابن کثیرؒ نے یزید کو بدکردار و فاسق وفاجر اور تارک الصلوٰۃ لکھا ہے، معلوم یہ ہوا کہ حضرت ابن الحنفیہؓ نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے تو کیا یزید اتنا احمق تھا کہ وہ آپ کے سامنے بھی اپنے اعمال و اخلاق کی نمائش نہ کرتا، نماز نہ پڑھتا، اور سنت کی خلاف ورزی کرتا۔؟

اپنے امیر المومنین اور خلیفہ یزید کے اسی مدحیہ قصیدے میں عباسی صاحب نے اپنے ممدوح کو ایک بلند پایہ محدث اور ثقہ راوی حدیث ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں "امیر یزید کبارِ تابعین میں تھے، اپنے والدِ ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہؓ سے فیضِ صحبت اٹھایا .... (ص۴۴)

ائمہ و محدثین نے یزید کے متعلق کیا لکھا ہے اور عباسی صاحب نے ان کے نام سے کیا کیا مغالطے اور فریب دیے ہیں۔؟ ان کی تفصیل سے پہلے "ایک دلچسپ واقعہ" ملاحظہ فرمائیے۔ جو یزید کو محدث ثابت کرتے ہوئے۔ علامہ ابن کثیرؒ کی "البدایہ والنہایہ" سے نقل کیا گیا ہے۔ واقعہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت معاویہؓ نے یزید سے کہا۔ تمہاری جو خواہش ہو اسے بیان کرو۔ یزید نے کہا۔ مجھے دوزخ سے بچا لیجئے۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا۔ یہ کس طرح؟ یزید بولا۔ میں نے حدیثوں میں دیکھا ہے کہ تین روز کیلئے بھی جسے امت کی خلافت سپرد کی گئی اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کردیتا ہے"

عباسی صاحب نے اس واقعہ کے بیان کرنے میں بھی دیانت داری کی بجائے مغالطہ ہی سے کام لیا ہے، درحقیقت یہ پورا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس واقعہ کا جزء ہے، جو ہم یزید کی امارتِ جہادِ قسطنطنیہ کی بحث میں لکھ آئے ہیں۔ کہ جب حضرت معاویہؓ نے یزید سے کہا کہ تمہاری جو خواہش ہو کہو وہ پوری کی جائے گی، تو یزید نے اپنی تین خواہشیں پیش کیں۔ اسے مجاہدین کی فوج کا سردار بنایا جائے۔ امیرِ حج بنا کر مکہ بھیجا جائے۔ اور اسے ولی عہد مقرر کیا جائے۔ عباسی صاحب نے اس واقعہ کا صرف وہ حصہ بیان کیا

جس سے یزید کی حریت زالی اور خوفِ دوزخ کا مظاہرہ ہو، اور باقی حصہ ترک کر دیا جس سے اس بات کا راز افشا ہوتا تھا کہ یزید کی ولی عہدی اور اس کی تمہید امارتِ جہاد و حج کے سارے مراحل اندرونِ خانہ طے پا چکے تھے،

یزید کو آتشِ دوزخ کی فکر تو بہت تھی لیکن اس نے دوزخ سے نجات حاصل کرنے کا راستہ کتنا آسان اور نفع بخش ڈھونڈھ نکالا، نہ اس نے طاعت وعبادت کا جھگڑا مول لیا اور نہ تقویٰ و پرہیزگاری کا، بلکہ وہ صورت پیدا کرلی کہ دنیا میں حکومت اور آخرت میں جنت۔ اگر یزید کی نظر احادیث پر ہوتی اور اسے احادیث کا پاس بھی ہوتا تو وہ خود حکومت طلب نہ کرتا، کیونکہ حدیثوں میں مانگ کر حکومت وامارت لینے کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں۔

عباسی صاحب نے یزید کے کردار اور اس کے فضائل وکمالات کے ثبوت میں علامہ ابن کثیرؒ کی یہ شہادت پیش کی ہے۔

"اور یزید کی ذات میں قابلِ ستائش صفات حلم وکرم، فصاحت وشعر گوئی اور شجاعت وبہادری کی تھیں، اور معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے، اور معاشرت کی خوبی اور عمدگی بھی ان میں تھی،" (ص ۴۹)

عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیرؒ کی اس رائے کے پیش کرنے میں بھی خیانت کارانہ فن کاری سے کام لیا ہے اس کمال کا علم ہمیں مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی تنقید سے ہوا، عباسی صاحب نے علامہ ابنِ کثیر کی جو عبارت پیش کی ہے اسی کے آگے ہے۔

وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشہوات وترک بعض الصلوٰۃ فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۰)	یعنی ان صفات کے ساتھ یزید میں یہ معائب بھی تھے کہ وہ شہوات کی جانب متوجہ تھا اور بعض نمازوں کو تو وہ بعض اوقات چھوڑ ہی دیتا تھا، اور اکثر اوقات کی نمازیں قضا پڑھتا تھا،

عباسی صاحب کی اس خیانت کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیچارے علامہ ابن کثیرؒ کو یزید کی دینداری اور اس کے فضائل و محاسن پر چشم دید گواہ بنا کر پیش کریں، حالانکہ علامہ ابن کثیرؒ نے یزید کی اس غلط کارانہ زندگی کی مذمت کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون خلف من بعدی ستین سنۃ اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا ثم یکون خلف یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم ویقرأ القرآن ثلاثۃ مؤمن ومنافق وفاجر۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے میرے ساٹھ سال کے بعد کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کر دیں گے، اور خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے سو وہ اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے، پھر کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کی ہنسلیوں سے نیچے نہ اترے گا، حالانکہ تین قسم کے لوگ قرآن پڑھیں گے، مومن، منافق اور فاجر،

اب اس حدیث کی روشنی میں دیکھئے کہ یزید کے کردار کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ کی رائے کیا ہے، اور عباسی صاحب نے اسے کس رنگ میں پیش کیا ہے، از راہِ کرم آگے بڑھنے سے پہلے پچھلے اوراق الٹ کر یزید کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ کی وہ رائے ایکبار پھر پڑھیے جو جنگ قسطنطنیہ کے بیان میں انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت کردہ دو حدیثوں کے سلسلے میں تحریر فرمائی ہے۔

جناب عباسی صاحب نے یزید کو محدث اور ثقہ راوی ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانیؒ امیر موصوف (یزید) کا شمار رواۃِ حدیث میں کرتے ہوئے یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی متوفی ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیلِ ابو داؤد میں ان کی مرویات ہیں۔" (ص۲۵)

اس عبارت کو پڑھ کر کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کیلئے عباسی صاحب نے خود اپنی ثقاہت و دیانت کا خون کر ڈالا ہے۔ "تہذیب التہذیب" کے جس طویل بیان سے عباسی صاحب نے اپنے مفید مدعا ٹکڑا اڑا لیا ہے اس کی پوری کی پوری عبارت مولانا مبارکپوری کی تنقید میں ہمارے سامنے ہے۔ اس میں یزید کے کیا کیا کارنامے بیان ہوئے ہیں، ملاحظہ ہوں "تہذیب التہذیب" میں ہے۔

"یزید کی کنیت ابو خالد ہے۔ وہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، اور حضرت معاویہ نے اسے ولی عہد سلطنت بنایا۔ ۵۶ھ میں یزید کی بیعت کی گئی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا، عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور حضرت حسینؓ کوفہ کیلئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو پہلے ہی کوفہ روانہ کر دیا، تاکہ وہ کوفہ میں حضرت حسینؓ کیلئے بیعت لیں، ان کو عبیداللہ بن زیاد نے قتل کر دیا، اور حضرت حسینؓ کی طرف فوجیں روانہ کیں، چنانچہ حضرت حسینؓ ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پھر ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کے مقابلے میں خروج کیا، اور اس کی بیعت توڑ دی، یزید نے مسلم بن عقبہ بن مرّی کی سرکردگی میں اہل مدینہ پر فوجیں بھیجیں، اور حکم دیا کہ —

ان یستبیح المدینة ثلاثة ایام وان یبایعهم علی انهم خول وعبید لیزید فاذا فرغ منها نهض الی مکة لحرب ابن الزبیر ففعل بها مسلم الافاعیل القبیحة وقتل بها خلقا من الصحابة وابناءهم وخیار التابعین وافحش القضیة الی الغایة ثم

تین روز تک مدینہ کو فوجیوں کیلئے ہر طرح مباح کردے اور اہل مدینہ سے یزید کے خادم اور غلام بننے کی بیعت (عہد) لے اور جب مدینہ کو تاراج کر کے فارغ ہو تو ابن الزبیرؓ سے جنگ کرنے کیلئے مکہ پر فوج کشی کرے چنانچہ یزید کے حکم کے مطابق مسلم بن عقبہ مری نے مدینہ میں افعال قبیحہ کئے اور صحابہؓ، ان کی اولاد اور بہترین تابعین کو تہہ

توجه الی مکة فاخذ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر ونصبوا علی الکعبة المنجنیق فادی ذلک الی اضعافھا وھی بناؤھا ثم احرقت وفی اثناء افعالھم القبیحة فجأتھم الخبر بھلاک یزید بن معاویة فرجعوا وکفی اللہ المومنین القتال وکان ھلاکہ فی نصف ربیع الاول سنة اربع وستین ولم یکمل الاربعین۔

تھذیب التھذیب
(جلد ۱۱ ص ۳۶۱ و ص ۳۶۲)

تیغ کیا۔ اور معاملے کو فحش و بدی کی انتہا کو پہنچا دیا (اسکی کچھ تفصیل نیچے آئے گی) اس کے بعد مکہ کا رخ کیا، مگر اس کے مکہ پہونچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس (ظالم) کو اپنی پکڑ میں لے لیا، اور وہ حصین بن نمیر سکونی کو اپنا جانشین مقرر کر کے (ہلاکت کے منہ میں) چلا گیا۔ اس کا جانشین اس سے کم ظالم نہ تھا) اس نے مکہ پہونچ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر لیا۔ اور کعبۃ اللہ پر سنگ باری کرنے کیلئے منجنیق (پتھر برسانے کا آلہ) نصب کر دیا، اس سنگ باری کے باعث کعبہ کے ستون اور اس کی عمارت کمزور ہو گئی، بعد ازاں خانہ کعبہ کو جلا دیا گیا، انھیں افعالِ قبیحہ کے دوران میں خبر پہونچی کہ یزید بن معاویہ ہلاک ہو گیا، چنانچہ وہ دمشق کو واپس ہو گئے اور اللہ نے مسلمانانِ مکہ کو اس کے قتل و غارت گری سے بچا لیا، یزید نصف ربیع الاول سنہ ۶۴ھ میں ہلاک ہو گیا، اور وہ زندگی کے چالیس سال بھی پورے نہ کر سکا۔

جناب عباسی صاحب کی دیانت وحق پرستی کی داد دیجئے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی تحریر سے انھیں کا حوالہ دے کر یزید کو ایک عالی مرتبہ محدث، تابعی اور سب کچھ ثابت کر دیا، جس کی موت کو علامہ نے ہلاکت اور اہل مکہ کیلئے موجب نجات قرار دیا ہے،

اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ حدیث اور روایت کے اعتبار سے امام ابن حجرؒ کے نزدیک یزید کی کیا حیثیت ہے؟ اور جناب عباسی صاحب نے ازرہِ فریب ہمیں کیا بتایا ہے؟

وليست روايته تعتمد وقال يحيى بن عبد الملك بن ابي غنيه احد الثقات حدثنا نوفل بن ابي عقرب ثقة قال كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال امير المومنين يزيد فقال عمر تقول امير المومنين يزيد وامر به فضرب عشرين سوطاً

اور یزید کی کوئی روایت حدیث ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جائے اور یحیٰ بن عبد الملک بن ابی غنیہ جو ثقہ راویوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے جو ایک ثقہ راوی ہیں بیان کیا کہ میں (امیر المومنین) عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس حاضر تھا، کہ ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین یزید نے کہا (اس کے بعد وہ شخص یزید کا کوئی قول نقل کرنا چاہتا تھا کہ) امیر المومنین عبد العزیزؒ بول اٹھے کہ تو یزید کو امیر المومنین یزید کہتا ہے؟ اور اسے بیس تازیانے لگانے کا حکم دیا، چنانچہ اسے بیس تازیانے لگائے گئے۔

یہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کون تھے؟ خود اموی خاندان کے فرماں روا جو عمر ثانی کے لقب سے مشہور ہیں ــ اب یہ بھی سن لیجئے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں یزید کا تذکرہ کس غرض سے کیا ہے، اس کے متعلق وہ خود ہی لکھتے ہیں،

ذكرته للتمييز بينه وبين النخعي ثم وجدت له رواية في مراسيل ابي داؤد وقد نبهت عليها في الاستدراك على الاطراف

میں نے یزید بن معاویہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس کے اور یزید بن معاویہ نخعی کے درمیان فرق واضح ہو جائے (ورنہ وہ اس کتاب میں ذکر کرنے کے قابل نہ تھا، مراسیل ابو داؤد میں میں نے اس کی صرف ایک روایت پائی اس پر بھی استدراک میں میں نے اس کے اطراف پر اس مرسل روایت کے متعلق تنبیہ کی ہے۔

اب آپ پر بخوبی واضح ہو گیا کہ یزید کے متعلق علامہ ابن حجرؒ نے کیا فرمایا ہے اور ان کے نام سے عباسی نے ہمیں کتنا بڑا دھوکہ دیا ہے۔

عباسی صاحب نے ایک غلط بیانی اور بھی کی ہے۔ امام ابن حجرؒ نے قول تو نقل کیا ہے یحییٰ

بن عبدالملک بن غنیہ کا، اور عباسی صاحب نے نہ جانے کیوں ابن غنیہ کو یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ کوفی بنا دیا ہے۔ لیکن بات اتنی ہی نہیں ہے، عباسی صاحب نے محدث یحییٰ بن عتبہ کوفی کے متعلق ہمیں یہ بتایا ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ راویوں میں سے ایک راوی قرار دیا ہے، یہ یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ یا یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیہ پر عباسی صاحب کا افترا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت سے آپ کو معلوم ہوا امام ابن حجرؒ نے یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیہ کی سند سے اوپر کا واقعہ نقل کرتے ہوئے خود ابن غنیہ کو ایک ثقہ راوی بتایا ہے، میزان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو ثقہ قرار دیا ہے نہ کہ یزید کو، اور اس سے حضرت ابن حجرؒ کا مقصود ہے اس واقعہ کی صحت کو واضح کرنا جس میں کہا گیا ہے کہ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو اس جرم میں بیس کوڑے لگوائے کہ اس نے یزید کو امیرالمومنین کے لقب سے یاد کیا تھا،

یہاں ایک بڑی عبرتناک بات ہمارے سامنے آئی، وہ یہ کہ جناب عباسی صاحب جو خود بڑے فخر کے ساتھ یزید کو امیرالمومنین قرار دے رہے ہیں، اور تمام مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ یزید کو امیرالمومنین مانیں اور اسی محترم لقب سے اسے یاد کریں، تو اگر ہمارے عباسی صاحب امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد مبارک میں ہوتے تو ذرا سوچئے پر کتنے تازیانوں کے انعام و صلہ کے مستحق ہوتے، ؟

جناب عباسی صاحب نے ہمیں ایک اور دھوکہ دیا ہے، فرمایا ہے ـــ مراسیل ابو داؤد میں ان کی (یزید کی) مرویات ہیں۔ اور حوالہ دیا ہے تہذیب التہذیب کا، اور آپ نے دیکھا کہ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق ابو داؤد میں یزید سے مروی بہت سی مرسل روایتیں نہیں ہیں بلکہ صرف ایک روایت ہے یعنی مراسیل نہیں بلکہ مرسل۔

علامہ ابن حجرؒ نے تو بہ لحاظ اختصار بھی اور شاید بلحاظ شدت حزن و غم بھی صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ـــ

وَاِذَا فَحُشَ الْقَضِیَّۃُ اِلَی الْغَایَۃِ — حالت فحش کی انتہا کو پہونچ گئی۔

لیکن دارمی میں جو تفصیل آئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مدینۃ النبیؐ میں تین روز تک قتل و غارت گری کے ساتھ عصمت دری کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور اس درمیان میں مسجدِ نبوی میں نماز تک نہ ہو سکی، ایک حضرت سعید بن المسیب تھے جو مسجدِ نبوی میں دیوانے بنے تنہا پڑے رہتے، مزارِ نبوی سے اذان و تکبیر کی آواز آتی اور وہ اسی کے مطابق تنہا نماز پڑھتے، نہ کسی کو مسجد میں اذان دینے کا یارا تھا اور نہ نماز پڑھنے کا"۔

عباسی صاحب کا دعویٰ ہے کہ یزید بلند پایہ محدث اور ثقہ راوی تھا، اس نے اپنے والد سے روایت کی اور اس سے اس کے بیٹوں عبدالملک بن مروان وغیرہ نے روایت کی ہے (ص۵۱) اب اس کے متعلق مشہور محدث حافظ ذہبی کی تحقیق والے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں

ویزید بن معاویۃ بن ابی سفیان اموی روی عن ابیہ وعنہ ابناہ خالد... وعبدالملک بن مروان مقدوح فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد ابن حنبل لا ینبغی ان یروی عنہ (میزان الاعتدال جلد سوم ص۳۸۱)	یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے دونوں بیٹوں خالد نیز عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے لیکن اس کے عادل ہونے پر جرح وقدح کی گئی ہے یہ اس لئے یزید اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے اور امام احمد حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ یزید سے روایت کرنا روا نہیں ہے۔

یہ ہے یزید کا کردار — اور حدیث و روایت میں اس کا درجہ!

یزید کی حکمرانی کا زبانی مطمحِ نظر

محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کا کردار پیش کرنے کے بعد اس کی حکمرانی کے مطمحِ نظر کا تعارف کرایا ہے اس غرض سے "البدایہ والنہایہ" کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔

" یزید نے کہا — ابا جان! خدا کی قسم! مسلمانوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا جو طرزِ عمل تھا میں بھی اختیار کروں گا۔ حضرتِ معاویہؓ نے کہا — سبحان اللہ صاحبزادے! میں

نے عثمان بن عفانؓ کی سیرت کی پیروی کی کوشش کی، اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکا، اور تم عمرؓ کی سیرت کی پیروی کروگے؟" (صفحہ ۵)

دنیائے اسلام کے نزدیک یزید کیسا حکمران تھا؟ اسکی حکومت کیسی تھی؟ یزید کی حکومت میں کیسے کیسے ہولناک اور الم انگیز واقعات و سانحات ہوئے؟ ایسے حقائق کی موجودگی میں کوئی شخص یزید کی حکمرانی کی توصیف و تعریف کی غرض سے اس واقعہ کو پیش نہیں کر سکتا۔ یزید تیز و طرار اور چرب زبان تھا، اور حضرت معاویہؓ کا لاڈلا بیٹا، اسے باپ سے اس انداز کی بات کرنی ہی چاہیئے، ایسی باتوں کو حقیقت سے کیا تعلق ہے۔۔۔ اگر یزید ایسا ہی نیک اور صالح ہوتا تو حضرت فاروقِ اعظمؓ کے طریقِ حکمرانی کے مقابلے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، تھا چہ جائے کہ اس حوصلے کے ساتھ زبان سے اس کا اظہار کرے، حضرت معاویہؓ نے یزید کو اسکی حقیقت بھی بتادی، عباسی صاحب نے چونکہ یہ بیڑا ہی اٹھا کر قلم اٹھایا ہے کہ وہ یزید کو خلفائے راشدینؓ کا ہم رتبہ اور اسکی حکومت کو خلافتِ راشدہ کا ہم پایہ ثابت کریں گے اس لئے کیا بہ اعتبارِ حکومت و سیاست اور کیا بہ اعتبارِ سیرت و کردار یزید کو حضرت فاروقِ اعظمؓ کے پہلو میں بٹھا دیا پھر اس شان سے کہ "لاکھوں روپئے کے وظائف اور عطایا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے تھے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے تھے۔" (صفحہ ۵)

دیکھا آپ نے؟ عباسی صاحب نے کس جسارت سے یزید جیسے فاسق و فاجر کو حکومت و سیرت دونوں میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کا مثیل بنا دیا ہے۔؟ کیا امتِ اسلامیہ کو یزید کے ان خصائص و فضائل کی کوئی خبر ہے؟ یہ کمال ہے یزید کے پبلسٹی افسر عباسی صاحب کا اسی سلسلے میں عباسی صاحب نے حضرت ابو درداءؓ کی صاحبزادی کی کہانی بھی لکھی ہے۔ یزید آپ کی صاحبزادی سے نکاح کرنا چاہتا تھا، مگر صرف اس لئے آپ نے یہ رشتہ رد کر دیا کہ وہ ایسے گھرانے میں بیٹی دینا نہیں چاہتے تھے جس میں کام کاج کیلئے خادمہ موجود ہو۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کا عقد یزید کے ہم جلیسوں میں سے ایک غریب کے ساتھ کر دیا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یزید کی حکمرانی کا مطمح نظر فاروقی خلافت تھی تو مسلمانوں کے بیت المال سے حضرت عمرؓ کب ایسا کرتے تھے کہ اپنی خلافت کے استحکام کی غرض سے جس شخص کو مصلحت سمجھتے تھے لاکھوں روپئے اٹھا کر دے دیتے تھے؟ ہم یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کی اس دریادلی کے باوجود اس کے ہم جلیس مفلس دنیا دار کیوں تھے؟

عباسی صاحب کو چاہیئے تھا کہ یہ بھی بتاتے کہ یزید ایک زاہد صحابی کی بیٹی کو تو اپنی زوجیت میں لینا چاہتا تھا، مگر اموی خاندان کی کتنی لڑکیاں زاہد صحابہؓ کے عقد میں تھیں؟

یزید کے متعلق امام احمدؒ کی رائے

عباسی صاحب نے "سیرت یزید" "امام احمد اور امام غزالی" کے عنوان سے قاضی ابوبکر بن عربی شاگرد امام غزالی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ "کتاب العواصم" میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کا ذکر "کتاب الزہد" میں زہاد صحابہؓ کے بعد تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں،

یہ تو قاضی ابوبکر کا بیان ہے۔ خود امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و آراء کا کہیں پتہ نہیں، اس کے بعد عباسی صاحب نے "کتاب العواصم" کا اقتباس نقل کیا ہے، اس میں بھی امام صاحب کا ایک لفظ نہیں، پورا بیان قاضی صاحب کا ہے۔ (ص۲۰۵) لہذا عباسی صاحب کی امام احمد کی رائے کی سرخی سرے سے ہی مغالطہ ہے۔ سرخی ہونی چاہیئے "قاضی ابوبکر بن عربی کی رائے"۔ اور قاضی ابوبکر بن عربی کیسے شخص تھے؟ اس کے متعلق عباسی صاحب کے مستند اور مانے ہوئے مورخ علامہ ابن خلدون کی رائے ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"اس مسئلہ پر قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے اپنی کتاب "عواصم وقواصم" میں جو خیال آرائی کی ہے وہ حق و صداقت سے بعید ہے۔" (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون ص۲۸۶)

یزید عابد و زاہد تھا، اور متقی و پرہیزگار تھا یا عیش پسند و نفس پرست اور فاسق

وفاجر؟ اس کے متعلق اکابر ائمہ ومحدثین کے بیانات آپ دیکھ بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی
ایسے بیانات آپ کے سامنے آئیں گے، موقع کے لحاظ سے مشہور وممتاز محدث امام ذہبیؒ
کا بیان ملاحظہ ہو۔

مقدوح فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد حنبل لا ینبغی ان یروی عنہ (میزان الاعتدال صد ۳۲)

یزید اپنی عدالت حدیث میں مقدوح ہے (یعنی محدثین نے اس پر قدح کی ہے) وہ اس لائق نہیں کہ اس سے حدیث روایت کی جائے اور امام احمد حنبلؒ نے فرمایا ہے یزید سے حدیث کی روایت جائز نہیں۔

جو شخص حضرت امام احمدؒ کے نزدیک اس لائق نہیں کہ اس سے حدیثوں کی روایت
جائز ہو وہ عابد وزاہد اور متقی و پرہیزگار اور معیاری مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟

یزید کے متعلق امام غزالیؒ کا فتویٰ

عباسی صاحب نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور اس کی رو سے دعویٰ کیا
ہے کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز بلکہ مستحب ہے اس میں عباسی صاحب نے پہلے ہی قدم
پر غلط بیانی کی ہے، لکھا ہے کہ فقیہہ عماد الدین کیا ہراسی کے استفسار کے جواب میں امام
غزالی نے یہ فتویٰ دیا تھا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فقیہہ عماد الدین نے تو خود یزید کے خلاف
فتویٰ دیا تھا، امام غزالیؒ کا سائل مجہول الاسم ہے، اور مستفتی نے یزید پر رحمت ہی بھیجنے
کے متعلق استفسار نہیں کیا لعنت کا حکم بھی دریافت کیا تھا۔ امام صاحب کے فتویٰ کے خاص
نکات یہ ہیں۔

(۱) یزید صحیح الاسلام تھا، اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کیا یا اس
کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوا۔ اس لئے اس سے بدگمانی رکھنا جائز نہیں،

(۲) جو وزراء، اور سلاطین بھی اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوتے ان کے متعلق اگر کوئی شخص
یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا کس نے حکم دیا، اس پر کون راضی تھا اور کس نے

اس کو ناپسند کیا تو وہ اس پر قادر نہ ہوگا، خواہ یہ قتل اس کے زمانے، اس کے ٹرمس اور اس کی موجودگی میں ہوا ہو ،

(۴) پھر جس واقعہ کو چار سو برس گذر چکا ہو اور دور دراز مقام میں واقع ہوا ہو اور طرفین نے جس کے بارے میں تعصب سے بھی کام لیا ہو اور طرفین سے بکثرت روایتیں مروی ہوں اس کی حقیقت کا کیسے پتہ چل سکتا ہے ؟

(۵) ایسی حالت میں جہاں حسن ظن کے قرائن موجود ہوں مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے اس لئے یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہماری ہر نماز میں دعا میں اس طرح داخل ہے اللهم اغفر للمومنين والمومنات ۔ اس لیے کہ وہ مومن ہے (ص۵۳)

عباسی صاحب امام غزالیؒ کی پوزیشن اور ان کے فتویٰ کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکتے تو یزید کے فضائل ومحاسن کے سلسلے میں اس فتویٰ کو نقل نہ کرتے ، یہ فتویٰ تو اس سوال کا جواب ہے کہ یزید اپنے ایمان واسلام میں صحیح تھا یا نہیں ؟ اور اس پر لعنت بھیجنے کا کیا حکم ہے ؟ بالفاظِ دیگر یہ یزید کے کفر واسلام کا سوال تھا، ایسی صورت میں امام غزالیؒ نے جو فتویٰ دیا۔ ہے ان کو وہی دینا چاہیئے تھا ، وہ یزید کے اسلام کے خلاف کیسے فتویٰ دیدیتے ، ایک مفتی بجائے حاکمِ عدالت کے ہوتا ہے اور حاکم عدالت کو امر واقعہ سے تعلق نہیں ہوتا ، وہ شہادت اور صفائی کے اعتبار سے اپنا فیصلہ دیتا ہے ۔ ایک مفتی کے سامنے کسی چور، زانی ، شرابی یا قاتل کا معاملہ درپیش ہو تو جب تک قانونی اعتبار سے جرم ثابت نہ ہو جائے مفتی یا حاکمِ عدالت چور کو چور ، زانی کو زانی شرابی کو شرابی اور قاتل کو قاتل قرار نہیں دے سکتا ، خواہ واقعتاً اس نے ان میں کوئی جرم کیا ہی ہو ۔ یہی نقطۂ نظر اور نوعیت اس فتوے کی ہے ، اس سے یزید کی فضیلت کون سی ثابت ہوئی ؟ پھر تاریخ کا نقطۂ نظر عدالتی نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے ، امام غزالیؒ نے جس قانونی نقطہ نظر سے یزید کو بری قرار دیا ہے ، اس نقطۂ نظر سے تاریخ میں کام لیا جائے تو دنیا کے سارے تاریخی ذخیرے میں دو چار صفحے بھی صحیح ثابت نہ ہوں اور پورا ذخیرہ دریا برد کر دینا پڑے ،

حالانکہ یہ ممکن نہیں۔

امام صاحب نے یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنے کو جو جائز بلکہ مستحب لکھا ہے وہ بھی محلِ نظر ہے۔
امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں:- "واما الرحم علیہ فجائز بل ھو مستحب" یعنی رہا یزید کیلئے دعائے رحمت کرنا تو وہ جائز بلکہ مستحب ہے، اور اس پر دلیل یہ دی ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان کے ہماری عام دعائے مغفرت میں شامل ہے۔ اس دلیل کی حقیقت کیا ہے؟ ہماری دعا میں عام مسلمان داخل ہیں نہ کہ صرف صالح اور نیکو کار مسلمان، اور عام مسلمانوں میں آخری درجے کے فاسق و فاجر اور انتہائی ظالم و جابر ہر قسم کے مسلمان داخل ہیں، اور یزید فاسق و فاجر بھی تھا اور حضرت امام حسینؓ کا قاتل بھی، کیونکہ آپ کے قتل کا ذریعہ وہی تھا، ایک امام غزالیؒ یا ایسے ہی بعض اکابر اسے قاتل نہ قرار دیں مگر انھیں کے پائے کے ائمہ نے یزید کو قاتل ہی لکھا ہے۔ ایسی صورت میں ہماری عام دعا میں یزید کا داخل ہونا اور بات ہے اور یہ الگ بات کہ ہم یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہیں۔ "رحمۃ اللہ علیہ" کے معنی سے قطع نظر یہ جملہ ایک اصطلاح کی حیثیت حاصل کر چکا ہے، جیسے "علیہ السلام"، "صلی اللہ علیہ وسلم"، "رضی اللہ عنہ"۔ ان اصطلاحوں کے استعمال میں معانی ہی کو نہیں محلِ استعمال کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہم صحابہؓ کو "علیہ السلام" نہیں کہتے، اور نہ انبیاءؑ کو "رضی اللہ عنہم"، اسی طرح ہم فاسق و فاجر اور بدکار مسلمان کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" بھی استعمال نہیں کرتے، یہ اصطلاح ائمہ و شیوخ، اولیاء و اصفیاء اور بزرگانِ دین کیلئے مخصوص ہو گئی ہے، کسی فاسق و فاجر اور بدکار کیلئے اب "رحمۃ اللہ علیہ" کا استعمال مستحب تو کیا جائز بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔
امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حضرت امام غزالیؒ سے زیادہ محترم تھے، وہ خود اموی اور امام غزالیؒ کی نسبت یزید کے زمانے سے بہت قریب بھی تھے، ان کے نزدیک یزید کو امیر المومنین کہنے والا موجبِ سزا تھا، قابلِ غور بات ہے کہ جب ان کی نظروں میں یزید کی یہ حیثیت تھی تو ہم اسے "رحمۃ اللہ علیہ" کیسے کہہ سکتے ہیں؟ امام جوزیؒ تو یزید کو مستحقِ لعنت بھی قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے عباسی صاحب نے امام غزالیؒ کے فتوے کے بارے میں بھی اپنی عادت کے مطابق مغالطہ دہی اور حقیقت پوشی سے کام لیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ فقیہہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیا الہراسی شافعی کے استفسار کے جواب میں امام غزالیؒ نے یہ فتویٰ دیا، (ص۵۲) لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے، عماد الدین فقیہہ شافعی یزید کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور ابن خلکان نے پہلے عماد الدین ہی کی رائے نقل کی ہے اس کے بعد لکھا ہے۔

وقد افتى الامام ابوحامد الغزالى فى هذا المسئلة بخلاف ذلك فانه سئل (جلد اول ۴۶۵)	امام غزالیؒ نے بھی یزید کے بارے میں ایک فتویٰ دیا ہے جو فقیہہ کیا ہراسی کے جواب کے خلاف ہے، امام غزالیؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تھا،

عباسی صاحب نے اسی مقام سے امام غزالیؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے، اور یہاں صاف لکھا ہے کہ "فانه سئل" امام غزالیؒ سے سوال کیا گیا تھا، جس کے سائل کا پتہ نہیں۔ یہ نہیں ہے کہ عماد الدین فقیہہؒ نے امام غزالیؒ سے استفسار کیا تھا، امام صاحب کے فتویٰ سے پہلے علامہ ابن خلکان نے عماد الدین کی رائے لکھی ہے، لیکن چونکہ وہ یزید کے سخت خلاف ہے اس لئے عباسی صاحب نے ان کی رائے نقل نہیں کی بلکہ ان کو امام غزالیؒ کے فتوے کا مستفتی بنا کر ان کی حیثیت ہی ختم کر دی،

فقیہہ عماد الدین شافعی یزید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انه لم يكن من الصحابة لانه ولد فى ايام عمر ابن الخطاب واما قول السلف ففيه لاحمد قولان تلويح وتصريح ولمالك فيه قولان تلويح وتصريح ولابى حنيفة	یزید صحابہؓ میں نہ تھا، کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہوا، اور یزید کے متعلق سلف کے اقوال (و آراء) مختلف ہیں، چنانچہ امام احمدؒ کے دو قول ہیں۔ ایک کنایہ دوسرا تصریح امام مالکؒ کے بھی دو قول ہیں۔ کنایہ اور تصریح۔

قولان تلویح وتصریح ولنا قول واحد التصریح دون التلویح و کیف لایکون کذالک وھو لاعب بالنرد ومتصید بالفھود و مدمن الخمر وشعرہ فی الخمر ومنہ قولہ

اور امام ابوحنیفہ کے دو قول کنایہ اور تصریح ہیں، اور ہمارا قول صرف ایک ہے، اور وہ ہے تصریح نہ کہ کنایہ، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یزید نرد کھیلتا تھا، چیتے کے ذریعہ شکار کھیلتا تھا، اور ہمیشہ شراب پیتا تھا، شراب کے بارے میں اس کا شعر معلوم و مشہور ہے۔ اور اسی کا قول ہے۔

اس کے بعد فقیہہ عماد الدین کیاہراسی نے یزید کے تین شعر لکھے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر میں کاغذ کی سفیدی کو سیاہی سے بھرنا چاہوں تو یزید کی رسوائیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص۳۵۵)

ائمہ و اکابر کی مسلسل و متواتر ایسے آراء و بیانات کے مقابلے میں امام غزالی کا فتویٰ یزید کو لعنت سے تو بچا لے سکتا ہے لیکن اسے نیک اور صالح ثابت نہیں کر سکتا اور عباسی صاحب نے تو کتاب لکھ کر یزید کی رسوائی میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، جو بات مجمل لوگوں کے علم میں تھی وہ منفصل طور پر ان کے سامنے آگئی۔

کتاب "فضل یزید" کی مردودیت

عباسی صاحب نے یزید کے فضائل کے سلسلے میں بڑے فخر سے کتاب "فضل یزید" کا ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کی حقیقت کیا ہے؟

کتاب "فضل یزید" کے مصنف شیخ عبد المغیث بن زہیر حربی شافعی ہیں، صاحب "البدایہ والنہایہ" نے مصنف کے بارے میں لکھا ہے۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب،

یعنی عبد المغیث کی ایک تصنیف ہے یزید بن معاویہ کی فضیلت میں اس میں انھوں نے بہت سی غیر معروف اور عجیب (بے سروپا قسم کی باتیں بیان کر دی ہیں)

اسی کتاب کے تذکرے کے سلسلے میں عباسی صاحب نے البدایہ والنہایہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کتاب فضل یزید کی شہرت ہوئی تو خلیفہ الناصر بھیس بدل کر خفیہ طریقے پر شیخ عبدالمغیث کے پاس گیا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے مگر بھی شیخ نے اسے پہچان لیا مگر اس کا اظہار نہیں کیا، خلیفہ اور شیخ میں یزید کے متعلق جو گفتگو ہوئی وہ علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق یہ ہے ۔

خلیفہ نے شیخ سے سوال کیا۔ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شیخ نے کہا میں اسکی اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ اگر لعنت کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعنت کرنے لگیں گے، خلیفہ نے پوچھا کیوں؟ شیخ نے کہا۔ ہمارے خلیفہ میں بھی بہت سے منکرات پائے جاتے ہیں،

یہ کہہ شیخ نے خلیفہ کے افعالِ قبیحہ اور منکرات گنانے شروع کئے، خلیفہ نے پھر ان سے کوئی سوال نہیں کیا اور اٹھ کر چلا آیا، خلیفہ پر شیخ کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا، اور اس نے اس گفتگو سے فائدہ اٹھایا، (ص۵۶)

اگر شیخ عبدالمغیث کی کتاب "فضل یزید" ایسی ہی تھی جیسا کہ یہ واقعہ ہے، تو وہ کتاب یزید کی فضیلت میں کیا تھی اس کی توہین و تذلیل میں تھی، آخر اس واقعہ سے یزید کی تذلیل واہانت کے سوا اور کون سی بات ثابت ہوئی؟ شیخ نے عباسی صاحب کی طرح خلیفہ کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ یزید کبار تابعین میں سے ایک ممتاز تابعی، بہت بڑا راوی احادیث، عابد و زاہد اور پرہیزگار و متقی تھا، اس لئے اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، انھوں نے تو صاف کہا کہ اگر اس پر لعنت بھیجنا جائز کیا گیا تو خلیفہ وقت پر بھی لعنت بھیجنے کا دروازہ کھل جائے گا، کیونکہ اس میں بھی بہت سے افعالِ قبیحہ اور غیر مشروع اعمال موجود ہیں ۔ اس جواب سے بجز اس کے اور کیا ثابت ہوا کہ یزید افعالِ قبیحہ اور منکرات کا مرتکب تھا؟